هِدایۃ المُستفید

اُردُو ترجمہ

فتح المجید

شرح

کتابُ التوحید

﴿جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں﴾

نام کتاب : مختصر ھدایۃ المستفید

تألیف : علامہ الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن آل شیخ رحمۃ اللہ علیہ

مقدمہ : شیخ العرب والعجم ابومحمد علامہ سید بدیع الدین شاہ الراشدی رحمۃ اللہ علیہ

اشاعت اوّل : شعبان ۱۴۲۶ھ بمطابق اکتوبر ۲۰۰۵ء

الناشر

دائرہ نور القرآن

فہرس

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
1	مقدمہ	6
2	کتاب التوحید	11
3	باب: توحید کی فضیلت کا بیان	20
4	توحید خالص پر عمل پیرا ہو کر انسان بلا حساب و کتاب جنت میں داخل ہو سکتا ہے	30
5	باب: شرک سے ڈرنا ضروری ہے	36
6	باب: لا الہ الا اللہ کی شہادت و گواہی کے میں وضاحت	40
7	باب: توحید کی تفسیر اور کلمہ لا الہ الا اللہ کی شہادت کے بارے میں تفصیلات	47
8	باب: دفع مصائب کے لئے چھلا پہننا یا گلے میں دھاگے ڈالنا شرک ہی کی قسم ہے	53
9	باب: دم، تعویذ اور گنڈوں وغیرہ کے بارے میں شرعی احکام	56
10	باب: جو شخص کسی درخت، پتھر، یا قبر وغیرہ سے برکت حاصل کرے.....	59
11	باب: غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا، شریعت اسلامیہ میں اس کا حکم؟	64
12	باب: غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز کے احکام	70
13	باب: غیر اللہ کی پناہ طلب کرنا کیسا ہے؟	72
14	اللہ کے علاوہ کسی کو بھی مدد کیلئے پکارنا اور اللہ کے سوا کسی اور سے فریاد کرنا کیسا ہے؟	74
15	باب: جو کوئی چیز پیدا نہ کر سکے اور خود پیدا کیا گیا ہو، نہ اپنی مدد کر سکے اور نہ	85
16	باب: فرشتے ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا حکم دیا؟.....	93
17	باب: شفاعت کی دو قسمیں۔ ایک کا بیان قرآن میں ہے جبکہ دوسری.....	99
18	رُشد و ہدایت کی توفیق اللہ کے پاس ہے وہ جسے چاہے ہدایت دے اور جسے.....	106
19	باب: کفر و شرک میں مبتلا ہونے کا سبب بزرگوں کے معاملہ میں غلو ہے۔	110

20	باب: قبروں کے پاس بیٹھ کر اللہ کی عبادت کرنا یا قبرستان میں مسجد بنانا.....	117
21	باب: بزرگوں کی قبروں کے بارے میں غلو کرنے کا نتیجہ.....ان کی عبادت	124
22	باب: مخالف عقیدۂ توحید، اعمال واقوال کی بیخ کنی رسول اللہ ﷺ نے کیسے کی؟	129
23	باب: اُمت محمدی ﷺ کے بعض افراد بت پرستی میں مبتلا ہو جائیں گے۔	134
24	باب: جادُو کا بیان	145
25	باب: جادُو کی اقسام	149
26	باب: کہانت اور غیب دانی کے بارے میں احکامِ شریعت کی وضاحت	153
27	باب: جادُو اور جنوں وغیرہ کو نکالنے کے علاج کے متعلق اُمور	159
28	باب: شگون اور فال کے بارے میں شریعت کے احکام ومسائل	161
29	باب: علم نجوم کے بارے میں شرعی احکام۔	169
30	باب: بارش کو ستاروں اور مختلف منزلوں کی طرف منسوب کرنا کیسا ہے؟	173
31	باب: اللہ تعالیٰ کی محبت اسلام کی بنیاد ہے۔	179
32	باب: خوفِ الٰہی کو شریعت اسلامیہ میں اہم ترین مقام حاصل ہے۔	195
33	باب: توکل علی اللہ مومنوں کی خاص علامت ہے۔	208
34	باب: کیا لوگ اللہ کی چال سے بے خوف ہو گئے ہیں؟	216
35	باب: اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ تقدیر پر صبر کیا جائے۔	221
36	باب: ریاکاری سے نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔	226
37	باب: دنیوی اغراض کے پیش نظر کوئی بھی عمل شرک کی تعریف میں آتا ہے۔	231
38	باب: حلال وحرام کی پرواہ کئے بغیر علماء اور اُمراء کی اطاعت شرک ہے۔	240
39	باب: اللہ کے دین کے علاوہ کسی ذات یا قانون سے فیصلہ کرنے کروانے والا مشرک ہے۔	249
40	باب: اس شخص کا حکم جو اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا منکر ہے۔	256
41	باب: دنیا میں بیشتر لوگ ایسے ہیں جو حق کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔	259

42	باب: پس جب تم جانتے ہو تو دُوسروں کو اللہ کا مقابل نہ ٹھہراؤ۔	261
43	باب: باپ دادا کی قسم کی ممانعت اور قسم لینے کے بعد حسن ظن رکھنے کے متعلق.....	266
44	باب: ''جو اللہ چاہے اور اے محمد ﷺ آپ چاہیں'' کے الفاظ شرک ہے۔	269
45	باب: زمانے کو گالی دینا اللہ تعالیٰ کو ایذا رسانی کے مترادف ہے۔	273
46	باب: کسی کو ''قاضی القضاۃ'' یعنی چیف جسٹس کہنے کی ممانعت۔	275
47	باب: اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی تعظیم کی جائے۔	278
48	باب: قرآن مجید، رسول کریم ﷺ یا کسی ایسی چیز کا مذاق اڑانا .....کیسا ہے؟	281
49	باب: انسان جب رحمت کا مزہ چکھتا ہے تو کہتا ہے کہ میں اسی کا مستحق ہوں.....	283
50	باب: اسماء الحسنیٰ کی وساطت سے اللہ سے دعا کرنا۔	286
51	باب: اللہ پر سلام ہو جیسے الفاظ زبان سے نکالنا درست نہیں۔	293
52	باب: یوں کبھی دُعا نہ مانگو کہ ''اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے معاف فرما''.....	294
53	باب: کوئی شخص اپنے غلام کو ''میرا بندہ''، میری ''لونڈی'' نہ کہے۔	295
54	باب: جو شخص اللہ کا نام لے کر سوال کرے اُس کو خالی ہاتھ واپس نہ لوٹایا جائے۔	297
55	باب: مصائب ومشکلات میں صبر وبردباری اختیار کرنے کی تلقین۔	302
56	باب: ہوا اور آندھی کو گالی دینے سے سختی سے روکا گیا ہے۔	305
57	باب: اللہ تعالیٰ کے متعلق جاہلانہ گمان کرنا.....	307
58	باب: تقدیر کا انکار کرنا شریعت اسلامی سے انکار کے مترادف ہے۔	308
59	باب: تصویر اُتارنے اور اُتروانے والے اللہ کے نزدیک سخت ترین عذاب.....	311
60	باب: بکثرت قسمیں کھانے کی ممانعت	316
61	باب: اپنے عہد وپیمان توڑنا ہلکا گناہ ہے بنسبت اللہ ورسول کے عہد وپیمان توڑنے کے۔	318
61	باب: اس بات کی ممانعت کہ ''اللہ کی قسم اللہ فلاں شخص کو کبھی معاف نہیں کرے گا''۔	321
62	باب: اللہ تعالیٰ کو کسی کے سامنے سفارشی مت بناؤ۔	323
63	باب: رسول اللہ ﷺ نے توحید کے پہلو کو کیونکر ثابت کیا اور.....	326

64	اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت کی ہمہ گیریوں کی وضاحت۔	329

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مُقَدِّمَۃ

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين ولا عدوان الاعلى الظالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين و على اله و صحبه اجمعين اما بعد

توحید باری تعالیٰ ہی ایسا مسئلہ ہے جسے سمجھانے کے لئے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت ہوئی، فرمایا:

ولقد بعثنا فى كل امة رسولاً ان اعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت

''ہم نے ہر اُمت میں ایک رسول بھیج دیا اور اس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کر دیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو''۔ (النحل:۳۶)

اسی دعوت کو عام کرنے کے لئے کتب اور صحیفے نازل ہوئے اور سب سے آخری رسول سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر آخری کتاب قرآن کریم نازل ہوا۔ جس کا مقصد وحید بھی یہی ہے کہ دعوتِ توحید کو پھلایا اور عام کیا جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هذا بلاغ الناس ولينذروا وليعلموا انما هو اله واحد و ليذكر اولو الالباب

یہ ایک پیغام ہے سب انسانوں کے لئے اور بھیجا گیا ہے اس لئے کہ انسانوں کو اس کے ذریعہ سے خبردار کر دیا جائے اور وہ جان لیں کہ حقیقت میں معبودِ برحق ایک ہی ہے اور جو عقل رکھتے ہیں وہ ہوش میں آ جائیں۔

انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی جو بڑی بڑی تکلیفوں اور مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا اس کا سبب بھی یہی دعوتِ توحید تھی۔ فرمانِ الٰہی ہے:

كذالك ما اتى الذين من قبلهم من رسول الا قالوا ساحرا و مجنون

یونہی ہوتا رہا ہے اُن سے پہلے کی قوموں کے پاس بھی کوئی رسول ایسا نہیں آیا جسے انہوں نے یہ نہ

کہا ہو کہ یہ جادوگر ہے یا مجنون۔

یہی سلوک رسول اکرم ﷺ کے ساتھ بھی روا رکھا گیا، ارشادِ الٰہی ہے:

و قال الکفرون ھذا سحر کذاب اجعل الالھۃ الھا واحد ان ھذا لشئ عجاب وانطلق الملا منھم ان امشوا و اصبروا علی الھتکم ان ھذا لشی یراد ما سمعنا بھذا فی الملۃ الاخرۃ ان ھذا الا اختلاق

منکرین کہنے لگے کہ یہ ساحر ہے، سخت جھوٹا ہے کیا اس نے سارے خداؤں کی جگہ بس ایک ہی معبود بنا ڈالا؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے اور سردارانِ قوم یہ کہتے ہوئے نکل گئے کہ چلو اور ڈٹے رہو اپنے معبودوں کی عبادت پر، یہ بات تو کسی اور غرض سے کہی جا رہی ہے یہ بات ہم نے زمانہ قریب کی ملت میں کسی سے نہیں سنی۔ یہ کچھ نہیں ہے مگر ایک من گھڑت بات۔ (ص:۴ تا ۷)۔

توحید ہی سے عمل صالح کی طرف رغبت ہوتی ہے کیونکہ ایک اللہ پر ایمان رکھنے سے دوسروں کا خوف دِل سے نکل جاتا ہے اور جن سے اُمیدیں وابستہ تھیں وہ ختم ہو جاتی ہیں پھر یہ دو یعنی وہ جنہیں خوف اور اُمید عمل صالح کے لئے دل میں رغبت اور میلان پیدا کرتی ہیں اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کو صحیح طور پر نہیں جانتے جس طرح کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے رسول مقبول ﷺ کی زبانی اپنی شان بیان فرمائی ہے، وہ دراصل اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر میں کوئی فرق اور امتیاز نہیں کر سکتے ہیں۔ اسی طرح غیر اللہ کو مددگار یا مشکل کشا جاننے والے، یا ان کے توسل سے نجات یا حاجت روائی یا ان امراض سے شفاء حاصل کرنے کا عقیدہ رکھنے والے اللہ تعالیٰ سے بالکل بے خوف ہوتے ہیں۔ ان کو اپنے بناوٹی معبودوں یا وسیلوں کا خیال رہتا ہے، وہ اُن ہی کی بددعا سے ڈرتے اور ان کی سفارش کے اُمیدوار رہتے ہیں۔ اسی طرح ان کے لئے گناہوں اور برائیوں کا دروازہ کھلا رہتا ہے اور ان کے پاؤں راہِ حق سے پھسلتے رہتے ہیں۔ توحید ہی ایک ایسی چیز ہے جس کی بدولت ایک مومن نیکی، عمل صالح، اخلاق حسنہ، ایمانداری اور راست بازی پر قائم رہ سکتا ہے۔ اللہ کریم کا ارشاد ہے:

فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لانفصام لھا

اور جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔ (البقرۃ:۲۵۶)۔

بلکہ اسی توحید سے انسانیت کا نظام برقرار رہ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لا تعبدوا الا ایاہ ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون

اس کا حکم ہے کہ خود اس کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی ٹھیک سیدھا طریق زندگی ہے مگر اکثر لوگ جانتے ہی نہیں۔

اور اسی سے اُمت کے درمیان اتحاد و اتفاق قائم رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک و ما وصینا بہ ابراھیم و موسی و عیسی ان اقیموا الدین لا تتفرقوا فیہ کبر علی المشرکین ما تدعوھم الیہ

اس نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح علیہ السلام کو دیا تھا اور جسے (اے محمد ﷺ) اب تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعے سے بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو دے چکے ہیں اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔ یہی بات ان مشرکین کو سخت ناگوار ہوئی ہے۔

توحید ہی کی بدولت آپس میں بگڑے ہوئے دل ملیں گے، بغض، حسد اور کینہ سے صاف ہوں گے جیسا کہ فرمایا:

قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ اذ قالوا لقومھم انا برؤاء منکم و مما تعبدون من دون اللہ کفرنا بکم و بدا بیننا و بینکم العداوۃ والبغضاء ابدا حتی تومنوا باللہ وحدہ

تم لوگوں کے لئے ابراہیم علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا، ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں۔ ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت ہوگئی اور بیر پڑ گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔

توحید کی طرف دعوت دینا رسول اللہ ﷺ کے متبعین کا شیوہ ہے جو کہ دعوت و تبلیغ میں ان کے سچے جانشین ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:

قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا و من اتبعنی و سبحان اللہ و ما انا من

المشرکین

آپ ان سے صاف کہہ دیجئے کہ میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی۔ اور اللہ پاک ہے اور شرک کرنے والوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔

توحید کی حقانیت جب لوگوں کے دلوں میں بیٹھنے لگی تو ہر آنے والی مصیبت ان کے لئے سہل ہونے لگی۔ سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا گرم پتھروں اور کوئلوں پر احد احد پکارنا، سیدنا خبیب جہنی رضی اللہ عنہ کا شہادت سے قبل دو رَکعت پڑھنے کی اجازت طلب کرنا، سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا بوقت وفات شہادت کی حسرت میں رونا حالانکہ ان کے جسم کا ہر حصہ اللہ کی راہ میں دشمن کے وار کا نشانہ بن چکا تھا۔ اسی طرح غزوۂ تبوک میں مالی و معاشی مشکلات پر صبر و استقامت سے رہنا، نیز صحابیات کا اپنے بیٹوں کی شہادت پر صبر کرنا بلکہ خوش ہونا اور اس قسم کے بیشمار واقعات جو تاریخ اسلام کے شاہکار ہیں سب اس حقیقت پر دلالت کناں ہیں کہ وہ توحید کو دل کی گہرائیوں سے جان چکے تھے اور اس کی عاقبت محمودہ پر ایمان رکھتے تھے یہی وہ حلاوۃ الایمان ہے جس کا ذکر صحیحین کی روایات میں موجود ہے کہ وہی شخص ایمان کی لذت کو پا سکتا ہے جو تین صفات کا حامل ہو، ان میں سے ایک صفت یہ ہے

و یکرہ ان یعود فی الکفر بعد ان انقذہ اللہ منہ کما یکرہ ان یلقی فی النار

جب اللہ نے اس کو کفر کی حالت سے نکال دیا تو وہ اس میں دوبارہ جانے کو اس طرح برا سمجھے جس طرح کہ آگ میں ڈالنے جانے کو برا سمجھتا ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل و کرم سے اس سلسلہ کو ہمیشہ قائم رکھے اور اس باغ کو سرسبز و بارونق اور شاداں رکھے اور موحدین کے دل کو شاد و آباد رکھے اور تا ابد الاباد توحید کی طرف دعوت کا چرچا باقی رہے۔

دل شاد باد مراد رہیں مہربان میرے
آباد حشر تک رہیں سب قدردان میرے

ابو محمد **بدیع الدین شاہ** الراشدی السندی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے جو رحمان اور رحیم ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس کتاب کو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سے اس لئے شروع کیا ہے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان عالی مقام کی اتباع ہو جائے: (ترجمہ) ہر اہم کام جو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سے شروع نہ کیا جائے وہ ادھورا رہتا ہے۔ (ابن حبان)۔ ایک حدیث میں ہے: بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور ذکر بہت ہی زیادہ پایا جاتا ہے۔

لفظ اللہ کا مطلب ان معنوں میں مستعمل ہے جو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں، وہ فرماتے ہیں: (ترجمہ) اللہ تعالیٰ وہ ذاتِ کبریا ہے جس کو ہر شے اِلٰہ مانتی ہے اور جس کی تمام مخلوق عبادت کرتی ہے۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اسم الجلالۃ کے دس لفظی خصائص ذکر کرنے کے بعد اس کے معنوی خصائص کے بارے میں لکھتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: (ترجمہ) ''اے اللہ! میں تیری ثناء کا احاطہ نہیں کر سکتا، تو اسی طرح ہے جس طرح تو نے خود اپنی شان بیان کی''۔

اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اللہ تعالیٰ کی صفت ''الرحمٰن'' کا تعلق تمام مخلوقِ رب سے ہے وہ جن ہو یا انسان، مسلمان ہو یا کافر، کوئی بھی ہو، ہر قسم کی مخلوق پر اس کی صفت ''رحمانیت'' کا وسیع تر شامیانہ ہر آن سایہ فگن ہے۔ رہی اس کی صفت ''الرحیم'' تو یہ مومنوں کے لئے خاص ہے۔

صفاتِ احسان، جوُد، نیکی، حنانیت، منت، رأفت، اور لطف وکرم صرف اس کے اسم ''رحمٰن'' کے ساتھ مخصوص ہیں۔

وَکَانَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَحِیۡمًا وہ مومنوں پر بہت مہربان ہے۔ اِنَّهٗ بِهِمۡ رَؤُوۡفٌ الرَّحِیۡمٌ بیشک اس کا معاملہ ان لوگوں کے ساتھ شفق ومہربانی کا ہے۔ یاد رہے کہ ایسے مواقع پر کبھی ''رحمٰن'' کا لفظ نہیں آئے گا۔

كِتَابُ التَّوْحِيْدِ

توحید کی کتاب

توحید کی دو قسمیں ہیں ﷺ۔ توحید در معرفت و اثبات۔ یہ توحید ربوبیت و اسماء اور صفات ہے۔ ا۔ توحید در طلب وقصد۔ یہ توحید الوہیت وعبادت سے موسوم ہے۔

پہلی یہ کہ: اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات، اس کے افعال اور اس کے اسماء کی حقیقت کا اثبات، اپنی کتب کے ذریعہ اس کا تکلم، اپنے بندوں میں سے جس سے چاہے اس کی تکلیم، اس کی قضا وقدر اور حکمت کا اثباتِ عمومی۔ قرآن کریم نے توحید کی اس نوع کو نہایت وضاحت سے بیان فرمایا۔

توحید کی دوسری قسم یعنی توحید الوہیت و توحید عبادت کا حکم قرآن مجید میں ہے۔ قرآن مجید کی اکثر سورتیں بلکہ قرآن کریم کی ہر سورت توحید کی دونوں قسموں کو متضمن ہے اور ان کی شاہد اور ان کی داعی ہے۔

وہ توحید جو انبیائے کرام علیہم السلام لے کر دنیا میں تشریف لائے وہ اللہ تعالیٰ کے اثباتِ الوہیت کو متضمن ہے اور وہ ہے ''لا الٰہ الا اللہ'' کی شہادت دینا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ: صرف اُسی کی عبادت کی جائے، اُسی پر توکل کیا جائے، اُسی کی رضا کے لئے دوستی کی جائے، اُسی کے لئے دشمنی کے پیمانے مقرر کئے جائیں، اُسی کی طرف رجوع کیا جائے صرف اسی کی وجہ سے عمل کی دیواریں اُستوار کی جائیں۔ یہ سب صرف اس لئے ہے کہ اُسی سے ان اسماء وصفات کا اثبات ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے ثابت کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ

تمہارا معبود ایک اللہ ہی ہے اس رحمٰن ورحیم کے سواء کوئی معبود نہیں ہے۔

توحید یہ نہیں ہے جیسا کہ فلسفیوں اور اہل تصوف کا نظریہ ہے کہ یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ جب انہوں نے یہ بات دلیل سے ثابت کر دی تو غایت توحید کا اثبات کر دیا۔ جب انہوں نے اس کی شہادت دی تو غایت توحید میں فنا ہو گئے۔ پس جب انسان ان صفات کا اقرار کر لیتا ہے جن کا اللہ تعالیٰ مستحق ہے اور اس کی تنزیہہ

ثابت کرتا ہے اور اس بات کو تسلیم کر لیتا ہے کہ وہی اکیلا ہر شے کا خالق ہے تو اس سے وہ موحد نہیں ہو جاتا جب تک کہ ''لا اِلٰہ الا اللہ'' کی شہادت نہ دے اور ساتھ ہی اس بات کا اقرار نہ کرے کہ وہی اِلٰہ ہے جو عبادت کا مستحق ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ اس کی وحدانیت اور عام شراکت غیر کا التزام نہ کرے۔

یاد رکھئے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی اس حقیقی توحید کو نہیں پہچانا جس کی تبلیغ کے لئے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ یہ تو مشرکین عرب بھی کہتے تھے اور اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی ہر شے کا خالق ہے مگر اس کے باوجود وہ مشرک تھے، جیسا کہ قرآن کریم کہتا ہے: ترجمہ: ان میں سے اکثر اللہ کو مانتے ہیں مگر اس طرح کہ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں'' (یوسف:۱۰۶)۔

ضروری نہیں کہ جو شخص یہ اقرار کرے کہ: اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق اور رب ہے، وہ شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرتا ہو، اس کے سوا کسی کی طرف دعوت نہ دیتا ہو، اس کے سوا کسی سے ڈرتا نہ ہو اور نہ کسی دوسرے پر بھروسہ کرتا ہو، اُسی کے لئے دوستی اور دشمنی رکھتا ہو، اس کے پیغمبروں کی اتباع کرتا ہو، جس چیز کا اللہ حکم دے اس کی تبلیغ کرتا ہو، جس چیز سے اللہ نے روکا ہے اس سے دوسروں کو روکتا ہو، کیونکہ اکثر مشرکین کا یہ عقیدہ ہے کہ یوں تو اللہ تعالیٰ ہی ہر شے کا خالق ہے مگر وہ اپنے شرکاء کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی مانتے ہیں اس طرح وہ ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے ہیں۔ انہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ترجمہ: کیا اس اللہ کو چھوڑ کر ان لوگوں نے دوسروں کو شفیع بنا رکھا ہے؟۔ (الزمر)۔ ترجمہ: یہ لوگ اللہ کے سوا اُن کی پرستش کر رہے ہیں جو اُن کو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع اور کہتے یہ ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔

ان مشرکانہ اعمال کے باوجود وہ کہتے ہیں کہ یہ شرک نہیں ہے، یہ اس صورت میں شرک سمجھا جائے گا جب ہم ان کو مدبر امر خیال کریں۔ اگر ہم ان کو صرف ذریعہ اور وسیلہ سمجھیں گے تو یہ شرک نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کی رُو سے یہ شرک ہی ہے۔

وقول اللہ تعالیٰ: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذّٰریٰت : ۵۶)

میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لئے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

عبادت ایک ایسا جامع اسم ہے جس سے وہ تمام ظاہر اور باطنی اقوال و اعمال مراد ہیں جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہیں اور جن پر وہ راضی ہوتا ہے۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: جن اُمور کے انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے، ان پر عمل پیرا ہونا اور جن سے روکا گیا ہے اُن کو ترک کر دینے کا نام عبادت ہے۔

وقول اللّٰہ تعالیٰ: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ أُمَّۃٍ رَّسُوْلاً أَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ

ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا اور اس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کر دیا کہ ''اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو''۔(النحل:۳۶)۔

طاغوت: طغیان سے مشتق ہے، اس کے معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''طاغوت کا اطلاق شیطان پر ہوتا ہے''۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: طاغوت ہر اس شے کا نام ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جاتی ہو۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے طاغوت کی ایک ایسی تعریف کی ہے جو بڑی جامع و مانع ہے، وہ فرماتے ہیں: ''طاغوت ہر وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان حد سے تجاوز کر جائے، خواہ عبادت میں، یا تابعداری میں، یا اطاعت میں۔ ہر قوم کا طاغوت وہی ہے جس کی طرف وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے فیصلہ کے لئے رجوع کرتے ہیں، یا اللہ کے سوا اس کی پرستش کرتے ہیں، یا بلا دلیل اس کی اتباع کرتے ہیں، یا اس کی اطاعت بغیر اس علم کے کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر جس کسی کے پاس بھی اپنا فیصلہ لے جایا جائے یا اللہ کے سوا جس کی بھی عبادت کی جائے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو ترک کر کے کسی دوسری شخصیت کی اطاعت کی جائے، اُسے اس قوم کا طاغوت سمجھا جائے گا''۔ ارشادِ الٰہی ہے:

(ترجمہ) ''صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو''۔ **(النحل:۳۶)**۔

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے: ترجمہ: اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا اُس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں (البقرۃ:۲۵۶)۔ حقیقت میں کلمہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کا مطلب یہی ہے۔ کیونکہ ''مضبوط سہارا'' ''لا الٰہ الا اللہ'' ہی ہے۔

وقول اللّٰہ تعالیٰ: وَقَضٰی رَبُّکَ أَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَاناً اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ أَحَدُھُمَآ أَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ أُفٍّ وَّ لَا تَنْھَرْ ھُمَا وَ قُلْ لَّھُمَا قَوْلاً کَرِیْماً وَ اخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا

تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو، مگر صرف اُسی کی۔ اور والدین کے

ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑک کر جواب دو بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو۔ اور نرمی و رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ ''پروردگار! ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا''۔ **(بنی اسرائیل:۲۳،۲۴)**۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''محض نفی یا اثبات بلا نفی توحید نہیں ہے، بلکہ حقیقی توحید یہ ہے کہ وہ نفی اور اثبات دونوں کو متضمن ہو''۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح بلا شرکت غیرے تنہا اپنی عبادت کا فیصلہ کیا ہے اسی طرح یہ فیصلہ بھی کر دیا ہے کہ تم اپنے والدین کے ساتھ احسان کیا کرو۔ لفظ اُفّ کا مفہم یہ ہے کہ جب کبھی ماں باپ کی طرف سے کوئی ایسا عمل ظہور پذیر ہو جائے جو اولاد کو ناپسند ہو تو اولاد میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ ''آپ کو یہ کام نہیں کرنا چاہیئے تھا''۔ اور نہ ان کے سامنے ہاتھ اٹھاؤ۔ بلکہ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور انسانیت کے دائرہ میں رہ کر بات کیا کرو۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار خطبہ جمعہ میں فرمایا:.....اس شخص کا منہ خاک آلود ہو جس نے اپنے ماں باپ کو یا اُن میں سے ایک کو زندہ پایا لیکن پھر بھی (ان کی خدمت کر کے) جنت میں نہیں جا سکا۔ **(بخاری و مسلم)**۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کی رضا ماں باپ کی رضامندی میں مضمر ہے اور اس کی نافرمانی ماں باپ کی ناراضی میں مضمر ہے۔ **(رواہ الترمذی)**۔

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا: کیا میرے ماں باپ کے فوت ہو جانے کے بعد بھی ان کے ساتھ نیکی کرنے کی کوئی صورت باقی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ہے! اُن کے لئے دعا کرتے رہنا اور ان کے لئے مغفرت کی التجا کرنا اور ان کے وعدوں کو اُن کی وفات کے بعد بھی پورا کرنا، محض اُن کے تعلقات کی بنا پر صلہ رحمی کرنا اور اُن کے دوستوں کی عزت و تکریم کرنا۔ **(ابوداؤد، ابن ماجہ)**۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا (النساء:۳۶)۔

اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ وَ لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ

مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَ اَوْفُوا الْكَیْلَ وَ الْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (الانعام:۱۵۱،۱۵۲،۱۵۳)۔

اے محمد (ﷺ)! ان سے کہو کہ آؤ میں تمہیں سناؤں تمہارے رب نے تم پر کیا پابندیاں عائد کی ہیں۔ ۱۔ یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ ۲۔ اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ ۳۔ اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دینگے۔ ۴۔ اور بے شرمی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی ہوئی۔ ۵۔ اور کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے ہلاک نہ کرو، مگر حق کے ساتھ۔ یہ باتیں ہیں جن کی ہدایت اس نے تمہیں کی ہے، شاید کہ تم سمجھ بوجھ سے کام لو۔ ۶۔ اور یہ کہ یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقہ سے جو بہترین ہو، یہاں تک کہ وہ اپنے سنِ رُشد کو پہنچ جائے۔ ۷۔ اور ناپ تول میں پورا انصاف کرو، ہم ہر شخص پر ذمہ داری کا اتنا ہی بار رکھتے ہیں جتنا اس کے اِمکان میں ہو۔ ۸۔ اور جب بات کہو انصاف کی کہو خواہ معاملہ اپنے رشتے دار ہی کا کیوں نہ ہو۔ ۹۔ اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ ان باتوں کی ہدایت اللہ نے تمہیں کی ہے شاید کہ تم نصیحت قبول کرو۔ ۱۰۔ نیز اس کی ہدایت یہ ہے کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے، لہٰذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ اس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں پراگندہ کر دیں گے، یہ وہ ہدایت جو تمہارے رب نے تمہیں کی ہے شاید کہ تم کج روی سے بچو۔

مشرکین مکہ سے جب پوچھا جاتا کہ ''یہ نیا رسول ﷺ تم کو کیا کیا باتیں بتاتا ہے جو تم اس کی اتنی زبردست مخالفت کر رہے ہو؟ تو وہ یہ جواب دیتے کہ ہم کو کہا ہے: ترجمہ: تم صرف اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور اپنے آباء واجداد کی رسموں کو چھوڑ دو۔ یہ وہی بات ہے جو ابوسفیان نے ہرقل کے دربار میں، اس کے ایک سوال کے جواب میں کہی تھی اور ابوسفیان اور ان کے ہمنواؤں نے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کہ قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا سے یہی سمجھا تھا کہ جب تک ہم اپنے باپ دادا کے رسم ورواج کو نہیں

چھوڑیں گے،اس وقت تک لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار فائدہ مند ثابت نہ ہوگا۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ترجمہ: تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنائے حالانکہ اُس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ میں نے عرض کی کہ اس کے بعد کونسا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اپنے بچے کو فقر و فاقہ اور تنگیٔ رزق کے خوف سے قتل کرے۔

سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث ہے، جس میں وہ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ترجمہ: ہر اُس مسلمان کا جو کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا اقرار کرتا ہے، خون حلال نہیں ہے۔ ہاں تین اُمور کی پاداش میں اس کا خون حلال ہوسکتا ہے: ۱۔ شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کا مرتکب ہو، ۲۔ بلاوجہ کسی مسلمان کو قتل کرنے کے بدلہ میں یا دین اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے اور جماعۃ المسلمین سے الگ ہو جائے۔

یتیم بچے کے مال میں ہر قسم کے تصرف کی نفی کی گئی ہے۔ معمولی قسم کے ذرائع تصرف کو بھی مسدود کر دیا گیا ہے تاکہ یتیم کا مال محفوظ رہے۔ مگر یہ کہ اگر کوئی شخص یتیم کے مال کو بڑھانے اور اس میں اضافہ کی خاطر اس میں تصرف کرے تو یہ جائز ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کے سلسلے میں لکھتے ہیں: ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے جو تم کو وصیت کی ہے اُسے پورا کرو اور اُسے پورا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو تمہیں حکم دیا جاتا ہے اس پر عمل کرو اور جس بات سے تم کو روکا جاتا ہے اس سے رُک جاؤ۔ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں زندگی بسر کرو بس یہی ہے اللہ کے عہد کو پورا کرنے کا مطلب۔

''صراط'' سے دین اسلام کا سیدھا راستہ مقصود ہے جو مستقیم ہے۔ یعنی دین اسلام ایک ایسا راستہ ہے جس میں کسی قسم کی کجی نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے اسی سیدھے راستے کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے جس کی حدود اس کے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین کر دی ہیں اور جس کی آخری منزل جنت ہے۔ اس صراطِ مستقیم سے کئی راستے نکلتے ہیں، جو شخص جادۂ مستقیم کو اختیار کرے گا وہ جنت میں جائے گا، جو غلط راستوں پر قدم زن ہوگا وہ لامحالہ جہنم میں جا گرے گا۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ سے بدعت اور شہوات انسانی مراد ہیں کہ انسان نیک

اعمال وافعال کو چھوڑ کر بدعات پر عمل کرنا شروع کرے اور اپنی خواہشات کی تکمیل میں زندگی برباد کر ڈالے۔

وعن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قَالَ كُنتُ رَدِيفَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰى حِمَارٍ فَقَالَ لِيْ يَا مَعَاذُ! اَتَدْرِيْ مَا حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ وَ مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ قُلْتُ اللهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ اَنْ يَّعْبُدُوْهُ وَ لَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَ حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ اَنْ لَّا يُعَذِّبَ مَنْ لَّا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَفَلَا اُبَشِّرُ النَّاسَ قَالَ لَا تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوْا اَخْرَجَاهُ فِي الصَّحِيْحَيْنِ

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر پر سوار تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے معاذ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے اور بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر کیا ہے؟ میں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہے کہ اگر وہ مشرک نہ ہوں تو ان کو عذابِ جہنم سے بچالے۔ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں لوگوں کو اس کی خوشخبری سنادوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا ہرگز نہ کرنا۔ کیونکہ پھر وہ اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ رہیں گے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے موقعہ پر اس حدیث کو بیان کر دیا تھا مبادا کتمان حق کے گناہ میں مبتلا ہو جائیں۔

آج کل لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ اللہ اپنا حق معاف کر دے گا مگر حقوق العباد معاف نہیں کرے گا۔ حقوق العباد کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے مگر اللہ کا حق پہلے ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے اگر اس حق میں کوتاہی ہوئی تو اللہ تعالیٰ ہرگز معاف نہیں کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (ترجمہ) ''بیشک اللہ تعالیٰ شرک معاف نہیں کرے گا''۔

عبادت کے معنی ہی توحید ہیں۔ مشرکین سے اسی مسئلہ میں اختلاف تھا حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے لیکن توحید کے قائل نہ تھے۔ جیسا کہ ایک حدیث قدسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ترجمہ:

''میں اور جن وانس ایک عجیب معاملے میں ہیں، پیدا میں کرتا ہوں لیکن عبادت کسی دوسرے کی ہو رہی ہے۔ رزق میں دیتا ہوں لیکن اظہارِ شکر دوسروں کا ہوتا ہے، میں اپنے بندوں پر احسان ہی کرتا ہوں لیکن ان کی طرف سے بغاوت ونافرمانی کے سوا کچھ نہیں ہو پاتا۔ میں اپنے بندوں پر احسان کر کے محبت کا اظہار کرتا ہوں

لیکن وہ میری نافرمانی کر کے مجھے غصہ دلاتے ہیں''۔

حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ وہ افعال اور اعمل ہیں جن کے کرنے کا انسان کو مکلّف قرار دیا گیا ہے۔

حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لازماً اپنے وعدے پورے کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اُن بندوں سے جو اس کی توحید پر قائم رہیں گے پکا وعدہ فرمایا ہے کہ ان کو احسن جزا دی جائے گی۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ایک مطیع اور فرمانبردار کا مستحق اجر ہونا یہ ہے کہ اسے انعام واکرام سے نوازا جائے۔ یہاں وہ استحقاق مقصود نہیں ہے جو ایک انسان دوسرے انسان پر کسی خاص معاملے میں کرتا ہے بلکہ اس سے اہل سنت کے نزدیک وہ استحقاق مراد ہے جس کا ذکر ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے کیا ہے کہ: ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے''۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے از خود رحمت اور حق کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ اس میں بندے کے اعمال و کردار کو کوئی دخل نہیں ہے۔ کتاب وسنت سے اسی مفہوم کی تائید وحمایت ہوتی ہے۔ یہ رحمت اللہ تعالیٰ نے از خود خاص کی ہے، مخلوق (کے اعمال) نے نہیں۔ معتزلہ اس مسئلے میں اہل سنت سے اختلاف کرتے ہیں، ان کا عقیدہ یہ ہے کہ: ''انسان کی اطاعت وفرمانبرداری کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے ذمہ یہ لازم ہے کہ وہ انسان کی مدد ونصرت کرے کیونکہ انسان اطاعت ہی کی بنا پر جزا کا مستحق ٹھہرتا ہے''۔ معتزلہ کا یہ مسلک غلط ہے۔

اس باب میں چند فوائد ایسے ہیں جن کا تذکرہ پہلے نہیں ہوا جیسے: ☆ اللہ تعالیٰ کی عبادت کو اخلاص سے کرنا۔ ☆ عبادتِ الٰہی شرک کے ہوتے ہوئے فائدہ مند نہیں بلکہ یہ عبادت کی نفی ہوگی اور اس کو شرک سے تعبیر کریں گے۔ ☆ والدین کے حقوق کی عظمت اور ان کی نافرمانی پر صرف تنبیہ ہی نہیں کی گئی بلکہ اسے حرام قرار دیا گیا ہے۔ ☆ کسی خاص مصلحت کی بنا پر کسی کو مسئلہ نہ بتایا جائے تو گناہ نہ ہوگا۔

فیہ مسائل

☆ جن وانس کی پیدائش میں حکمتِ الٰہی کا بیان۔ ☆ عبادت ہی دراصل توحید ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین میں باعث نزاع مسئلہ یہی تھا۔ ☆ جو شخص توحید کا اقرار نہیں کرتا گویا اس نے اللہ کی عبادت ہی نہیں کی۔ آیت وَلَآ أَنتُمْ عَابِدُونَ مَآ أَعْبُدُ کا مطلب بھی یہی ہے۔ ☆ انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت میں جو حکمتیں پنہاں ہیں ان کا ذکر۔ ☆ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام امتوں کے لئے عام ہے۔

☆(سیدنا نوع علیہ السلام سے لے کر امام الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ تک) تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا دین ایک ہی تھا۔ ☆سب سے بڑا مسئلہ اس میں یہ ہے کہ جب تک طاغوت کا انکار نہ کیا جائے تب تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کا تصور ممکن نہیں۔ آیت کا مفہوم بھی یہی ہے کہ ''جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ کو مانا اس نے عروۃ الوثقیٰ کو مضبوطی سے پکڑ لیا''۔ ☆طاغوت ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جائے۔ ☆سلف صالحین کے نزدیک سورہ الانعام کی مذکورہ تین آیات بڑی محکم اور پُرعظمت ہیں۔ ان میں دس مسائل کا تذکرہ ہے۔ ان دس مسائل میں پہلا مسئلہ **نھی عَنِ الشِّرک** ہے۔ ☆سُورۂ الاسراء کی محکم آیات میں اٹھارہ مسائل بیان کیے گئے ہیں، جن میں سب سے پہلا مسئلہ یہ بیان ہوا کہ: ''تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنا ورنہ ملامت زدہ اور بے یار و مددگار بیٹھا رہ جائے گا''۔ اور سب سے آخری مسئلہ یہ ہے کہ: ''دیکھ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنا بیٹھنا ورنہ تو جہنم میں ڈال دیا جائے گا، ملامت زدہ اور ہر بھلائی سے محروم ہو کر''۔ حقیقت میں یہی مسائل سب سے اہم ہیں جن کی خصوصی طور پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو وصیت فرمائی۔ ☆سورۂ نساء کی آیت جس کا نام ہی **اٰیَۃُ الْحُقُوْقِ الْعَشَرَۃِ** رکھا گیا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے یہی مسئلہ بیان فرمایا کہ: دیکھو! صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ ☆رسول اللہ ﷺ نے وفات کے وقت جو وصیت فرمائی تھی، اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ ☆اللہ کو پہچاننا اور ان پر کاربند ہونا۔ ☆جب لوگ حقوق اللہ کی ادائیگی پوری طرح کر لیں گے تو پھر انہیں ان حقوق کا علم ہوگا جو ان کے اللہ تعالیٰ پر عائد ہوتے ہیں۔ ☆کسی خاص مصلحت کی بنا پر اگر کوئی مسئلہ کسی وقت نہ بتایا جائے تو یہ جائز ہے۔ ☆کسی مسلمان کو کوئی اچھی اور خوش کن خبر ملے تو اس کا اپنے ساتھیوں کو بتانا مستحب ہے۔ ☆بلا عمل، صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ کرنے سے انسان کو ڈرنا اور بچنا چاہیے۔ ☆جس چیز کا علم نہ ہو اس کے متعلق ''اللّٰہُ و رسولُہٗ اعلمُ'' کہنا۔ ☆بعض لوگوں کو علم سکھا دینا اور بعض کو نہ سکھانا جائز ہے۔ ☆اس بات سے رسول اللہ ﷺ کی تواضع کا پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ خچر پر سوار ہیں اور دوسرے شخص کو بھی پیچھے بٹھائے ہوئے ہیں۔ ☆سواری پر دوسرے شخص کو پیچھے بٹھانے کا جواز۔ ☆سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے شرف و فضیلت کی وسعتیں۔ ☆مسئلہ توحید کی عظمتِ شان۔

باب

فضل التوحید ومایکفر من الذنوب

اس باب میں توحید کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ توحید تمام گناہوں کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دیتی ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ (۸۲)

حقیقت میں تو امن انہی کے لیے ہے اور راہِ راست پر وہی ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب مذکورۃ الصدر آیت کریمہ نازل ہوئی تو ہم سب نے عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ہم میں سے کون شخص ایسا ہے جس نے کبھی ظلم نہ کیا ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا مطلب جو تم نے سمجھا ہے وہ صحیح نہیں۔ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔ (صحیح بخاری)۔

سورۂ فاطر آیت: ۳۲ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ترجمہ: ''پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا جن کو اپنے بندوں میں برگزیدہ کیا تو اُن میں کچھ لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں، کچھ میانہ روی اختیار کرتے ہیں اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جاتے ہیں اور یہی بڑا فضل ہے''۔ اس آیت میں مسلمانوں کے تین گروہ بیان کئے گئے ہیں: **ظالم لنفسہ:** یہ وہ گروہ ہے جنہوں نے اعمال صالحہ کے ساتھ ساتھ چند اعمالِ سیئہ کا بھی ارتکاب کیا۔ یہ گروہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو بالکل معاف فرمادے اور اگر چاہے تو گناہ کی مناسبت سے ان کو سزا دے کر جنت میں داخل کردے۔ **مقتصد:** یہ وہ گروہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی حدود کو ملحوظ رکھتے ہوئے جن اعمال کا حکم ہوا تھا، ان کو بجالائے اور جن برے اور حرام کاموں سے روکا گیا تھا، ان سے دامن کشاں رہے۔ یہ ابرار اور صالحین کی پاکیزہ جماعت تھی۔ **سابق بالخیرات:** یہ وہ گروہ ہے جن کو ایمان کامل نصیب ہوا چنانچہ انہوں اپنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری میں گزار دی۔ پس یہی وہ سعید گروہ ہے جن کو دنیا اور آخرت میں امن تام اور ہدایت کامل نصیب

ہوگی کیونکہ ایمان کامل کا یہ خاصہ ہے کہ جس خوش نصیب کو یہ دولت مل گئی وہ جرائم کے ارتکاب سے محفوظ رہتا ہے، پس ایسا خوش نصیب شخص اپنے مالک حقیقی کے سامنے اس حال میں حاضر ہوگا کہ اس کا کوئی گناہ نہ ہوگا جس کی سزا دی جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ترجمہ: آخر اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تمہیں خواہ مخواہ سزا دے اگر تم شکر گزار بندے بنے رہو اور ایمان کی روش پر چلو اللہ بڑا قدر دان اور سب کے حال سے واقف ہے۔

عن عبادة بن الصّامت رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ .وَحْدَهٗ لَا شَرِيْکَ لَهٗ.وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ.وَ أَنَّ عِيْسٰى عَبْدُ اللّٰهِ وَ رَسُوْلُهٗ. وَ كَلِمَتُهٗ. اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ.وَ رُوْحٌ مِّنْهُ. وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَ النَّارُ حَقٌّ.أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ عَلٰى مَا كَانَ مِنَ الْعَمَلِ (اخرجاہ)

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص شہادت دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور شہادت دے کہ سیدنا محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور شہادت دے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور یہ بھی شہادت دے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہیں جو کہ بھیجا اللہ تعالیٰ نے سیدہ مریم علیہا السلام کی طرف۔ اور وہ (عیسیٰ علیہ السلام) اسی کی طرف سے روح ہے۔ اور اس کی بھی شہادت دے کہ جنت اور دوزخ حق ہیں۔ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ بہر حال جنت میں داخل کردے گا اگرچہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی تشریح: یعنی جو شخص اس کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے معنی کو سمجھتے ہوئے اور جانتے ہوئے زبان سے اقرار کرے اور اس کے ظاہری اور باطنی تقاضوں کو عملی جامہ پہنائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ترجمہ: ''جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں''۔ (محمد:۱۹)۔ ''ہاں! جو علم و یقین کے ساتھ حق کی گواہی دیں''۔

لیکن کلمہ طیبہ کا ایسا اقرار جس سے نہ تو اس کے مفہوم و معانی کا علم ہو نہ یقین ہو، نہ اس کے تقاضوں کے مطابق علم ہو نہ شرک سے بیزاری ہو نہ قول و عمل میں اخلاص ہو، نہ دل اور زبان میں ہم آہنگی ہو اور نہ دل اور اعضاء کے کردار میں یگانگت ہو تو ایسی شہادت بالاجماع غیر نافع اور غیر مفید ہے۔

کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ نفی اور اثبات دونوں کو متضمن ہے۔ جملہ لَا اِلٰہَ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے اُلوہیت کی نفی کرتا ہے اور اِلَّا اللہ اللہ تعالیٰ کے لئے اُلوہیت کو ثابت کرتا ہے۔ کلمہ طیبہ کی حقیقت سے بے خبری اور

جہالت کی وجہ سے اکثر لوگ گمراہ ہوئے ہیں کیونکہ انہوں نے صفتِ اُلوہیت کو ان افراد میں ثابت کرنے کی کوشش کی جن سے اس صفتِ اُلوہیت کی نفی کی گئی ہے۔ قرآن کریم میں جہاں انبیاء ومرسلین کا ذکر فرمایا وہاں کلمہء توحید کی بھی وضاحت کی ہے۔ اصحاب القبور کی جہالت کس درجہ بڑھ گئی ہے اور وہ کس قدر شرک عظیم میں مبتلا ہیں کہ جو کلمہ لَآ اِلٰہ اِلَّا اللہ کے بالکل منافی ہے۔ مشرکین عرب اور ان کی طرح کے دوسرے مشرک بھی لَآ اِلٰہ اِلَّا اللہ کا لفظاً ومعنیً انکار کرتے تھے لیکن موجودہ مشرک لفظاً تو اس کا اقرار کرتے ہیں مگر معنیً اس کے منکر ہیں۔ اگر آپ ان کی حالت پر غور کریں تو دیکھیں گے کہ وہ غیر اللہ کی مختلف قسم کی عبادتیں کر رہے ہیں مثلاً محبت، تعظیم، خوف، اُمید، توکل اور دعائیں وغیرہ عبادات میں وہ غیر اللہ کی طرف مائل ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کا شرک کئی اعتبار سے مشرکین عرب کے شرک سے کئی گناہ زیادہ ہے۔

مشرکین عرب کی تو یہ حالت تھی کہ جب کسی قسم کی تکلیف اور مصیبت میں گرفتار ہو جاتے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہی بہت جلد ان کی تکلیفیں دور کرنے والا ہے۔ وہ آسان اُمور میں ارتکابِ شرک کرتے تھے، شدائد وسختی میں صرف اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کو پکارتے تھے، جیسے قرآن کریم میں ان کی حالت بیان کی گئی ہے کہ: ترجمہ: جب یہ لوگ کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کر کے اس سے دعا مانگتے ہیں۔ پھر جب وہ انہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو یکا یک یہ شرک کرنے لگتے ہیں۔ (العنکبوت: ٦٥)۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ موجودہ دور کے مشرک اللہ تعالیٰ اور اس کی توحید کو سمجھنے میں مشرکین عرب اور ان سے قبل کے لوگوں سے بھی زیادہ ناواقف اور جاہل ہیں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث اُن عظیم احادیث میں سے ایک ہے جن کو جوامع الکلم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ حدیث عقائد کے تمام مسائل کو محیط ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اختصار کے ساتھ وہ تمام پہلو بیان فرما دیئے ہیں جن سے ایک انسان کفر کے مذاہب سے کٹ کر اسلام کے حصار میں آجاتا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ الٰہ کا مطلب ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں: ''الٰہ اس معبود کو کہتے ہیں جس کی عبادت واطاعت کی جائے، کیونکہ اِلٰہ وہ ہے جس کی عبادت کی طرف دل ازخود مائل ہو جائے، حقیقت میں یہی ذات عبادت کے قابل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایسی صفات کاملہ موجود ہیں جن کی وجہ سے وہ محبوب خلائق ہو جاتا ہے اور مخضوع وہ ہے جس کے سامنے انتہائی خضوع کے ساتھ جھکا جائے۔ وہ ایسا محبوب

اور معبود اِلٰہ ہے جس کی طرف قلوب پوری محبت سے کھنچ جاتے ہیں۔ اسی کے سامنے دل جھکتے ہیں، اسی کے سامنے عجز و انکساری کا مظاہرہ کرتے ہیں، اُسی سے ڈرتے ہیں اور اُسی سے اُمیدیں وابستہ کرتے ہیں، مصائب و آلام اور مشکلات کے وقت اُسی کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں، مشکل اوقات میں اُسی سے فریاد کرتے ہیں، اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے اُسی سے فریاد کرتے ہیں، اُسی کے ذکر سے دل اطمینان حاصل کرتے ہیں، اُسی کی محبت میں سکون پاتے ہیں۔ ان تمام صفات کی مالک صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یہی وجہ ہے کہ تمام کلاموں میں سچا کلام لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ ہے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے والے حزب اللہ ہیں۔ اس کے منکر اور اس سے سرکشی کرنے والے اللہ تعالیٰ کے دشمن اور اُس کے غضب وقہر کا شکار ہیں۔ جب یہ کلمہ صحیح ہو گیا تو اس کے ساتھ ہی تمام مسائل از خود حل ہو جائیں گے اور جس شخص کا یہ کلمہ ہی صحیح نہ ہوا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے علم اور عمل میں فساد پیدا ہو جائے گا۔

محمد رسول اللہ کی وضاحت: وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ:

العبد کے معنی ہیں ایسا غلام جو عابد ہو۔ معنی یہ ہوں گے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے غلام ہیں جن کا خاصہ اور وصف عبودیت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ترجمہ: ''کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں''؟ بارگاہِ الٰہی میں ایک انسان کا سب سے بلند مقام اور مرتبہ یہ ہے کہ وہ رسالت اور عبودیت خاصہ سے متصف ہو۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ میں یہ دونوں صفتیں بدرجہء اَتم پائی جاتی ہیں۔ رہی ربوبیت اور اُلوہیت تو یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ ہیں اور یہ اسی کا حق ہے۔ جس میں کسی بھی صورت میں کوئی نبی و رسول شریک ہے اور نہ کوئی مقرب فرشتہ۔ عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ: رسولِ کریم ﷺ کی یہ دو صفتیں ایک ہی جگہ بیان کی گئی ہیں جو افراط و تفریط کو ختم کرتی ہیں۔ اکثر لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اُمت محمدیہ میں داخل ہیں لیکن وہ قول و عمل میں انتہائی افراط کا ثبوت دیتے ہیں اور آپ ﷺ کی پیروی کو ترک کر کے تفریط سے کام لیتے ہیں اور آپ ﷺ کے احکام و فرامین پر عمل کے بجائے آپ ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں اور آپ ﷺ کی ایسی ایسی غلط تاویلیں کرتے ہیں جن کو حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللہ ﷺ کی شہادت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان رسول اللہ ﷺ پر: ایمان لائے، جو آپ ﷺ بتائیں اس کی تصدیق کی جائے، جس کام کا آپ ﷺ حکم دیں اس کی تعمیل کی جائے، جس کام سے روک دیں اُسے چھوڑ دیا جائے اور آپ ﷺ کے امر و نہی کو ایسی اہمیت دی جائے کہ اس کے

مقابلے میں کسی بات کو ترجیح نہ دی جائے۔افسوس کہ ایسے قاضی اور مفتی جو کہ صاحب علم بھی ہیں وہ بھی اس کے خلاف عمل کر رہے ہیں۔

ان عیسیٰ عبداللہ و رسولہ کا مفہوم: اس حدیث میں کفار عیسائیوں کی تردید بھی موجود ہے۔اس سلسلے میں عیسائیوں کے تین گروہ ہیں: ۔ایک گروہ کا کہنا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ہی اللہ ہیں۔ ۔دوسرے گروہ کا عقیدہ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ ۔تیسرے گروہ کا قول یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام تین میں سے تیسرے ہیں یعنی اللہ،عیسیٰ اور اُمّ عیسیٰ۔رب ذوالجلال نے ان تینوں عقیدوں کی تردید فرمائی۔حق کو حق اور باطل کو باطل قرار دیا۔ارشاد فرمایا: ترجمہ:''اور نہ کہو کہ ''تین'' ہیں۔باز آ جاؤ۔یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہے۔معبود تو بس ایک اللہ ہی ہے، وہ بالاتر ہے اس سے کہ کوئی اُس کا بیٹا ہو'' (النساء:۱۷۱)۔اور فرمایا:''یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے''۔ (المائدہ:۱۷)۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کی وہ بات بھی نقل کی جو انہوں نے اپنے بچپنے میں گہوارے میں کی تھی: ترجمہ:''میں اللہ کا بندہ ہوں،اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا.....''

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن بعض یہودیوں کا (اللہ ان پر لعنت کرے) اُن پر یہ بھی ایک بہتان تھا کہ وہ صحیح النسب نہیں۔نعوذ باللہ من ذٰلک۔

ایک بندہ مومن کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ یہودیوں کے اس بہتان کی تردید کرے۔عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور یہودیوں کے ان تمام لغو اور باطل عقائد سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو بری الذمہ قرار دے۔نیز اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر ایمان اور یقین رکھے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول تھے۔

''وکلمتہٗ'' پر نوٹ: سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا نام کلمہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے لفظ کُن کہہ کر پیدا فرمایا جیسا کہ سلف مفسرین کرام کا بیان ہے۔امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیدہ مریم علیہا السلام کی طرف جس کلمہ کو القا فرمایا وہ کلمہ ''کُن'' تھا۔چنانچہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کلمہ ''کُن'' سے پیدا ہوئے، وہ خود کلمہ ''کُن'' نہ تھے۔لہٰذا لفظ ''کُن'' اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور اللہ کا کلمہ مخلوق نہیں ہو سکتا۔سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں اور فرقہ جہمیہ دونوں نے اللہ پر جھوٹ اور افترٰی باندھا۔

رُوح کے بارے میں صحیح موقف: سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رُوح کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اُن ارواح میں سے ایک ہیں جن کو اللہ کریم نے پیدا فرمایا اور جن سے **اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ** کہہ کر اپنی ربوبیت کا اقرار کروایا تھا۔ اسی روح کو اللہ تعالیٰ نے سیدہ مریم علیہا السلام کی طرف بذریعہ روح الامین جبریل علیہ السلام بھیجا۔ پس جبریل علیہ السلام نے پھونک ماری اور اللہ تعالیٰ نے لفظ ''کُن'' سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا۔

قولہ: وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ: یعنی اس بات کی گواہی دے اور اقرار کرے کہ جس جنت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں خبر دی ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی بندوں کے لئے بنایا ہے وہ برحق اور موجود ہے۔ اس میں شک نہیں۔ اور اس بات کا بھی اقرار کرے کہ وہ دوزخ جس کو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے تیار کیا ہے اور جس کی خبر قرآن کریم میں دی گئی ہے وہ بھی برحق اور موجود ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ جنت کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ترجمہ: ''دوڑو اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اپنے رب کی مغفرت اور اُس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان وزمین جیسی ہے جو تیار کی گئی ہے اُن لوگوں کے لئے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہوں، یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ کریم بڑے فضل والا ہے''۔ اور دوزخ کے بارے میں فرمایا: ''ڈرو اُس آگ سے جس کا ایندھن بنیں گے انسان اور پتھر، جو تیار کی گئی ہے منکرین حق کے لئے''۔

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی زیر بحث حدیث اُن لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو ایمان اور توحید کی بیک وقت شہادت دیتے ہیں۔ یہ شہادت اُن کے اعمال سیئہ کو مغلوب کر دے گی جس کی بنا پر وہ مغفرت، رحمت اور دخول جنت کے حقدار ہو جائیں گے۔

ولهمافی حدیث عتبان: فَإِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَبْتَغِيْ بِذٰلِكَ وَجْهَ اللّٰهِ

بخاری ومسلم میں سیدنا عتبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے لآ اِلٰہ اِلّا اللّٰہ کا اقرار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کے عذاب کو حرام کر دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کلمہ طیبہ دو ہی چیزوں پر دلالت کرتا ہے: ۱۔ اخلاص۔ ۲۔ شرک کی نفی۔ شرک کی نفی اور اخلاص، یہ دونوں آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ جو شخص مخلص نہیں وہ مشرک ہے اور جو سچا نہیں وہ منافق ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مذکورہ حدیث اس شخص کے بارے میں ہے جو صمیم قلب،

یقین اور بغیر کسی شک اور تردد کے کلمہ کا اقرار کرے اور اسی پر اُس کا خاتمہ ہو کیونکہ توحید کی حقیقت اور اصل یہ ہے کہ کلمہ کے بعد انسان کی رُوح بتمامہ اللہ کریم کی طرف متوجہ ہو جائے اور کھنچ جائے۔ پس جس شخص نے صمیم قلب سے لَآ اِلٰہ اِلَّا اللہ کی شہادت دے دی وہ جنت میں داخل ہوگا کیونکہ اخلاص کا مطلب ہی یہ ہے کہ انسان کا دل ربِّ کریم کی بارگاہ میں جھک جائے اور تمام گناہوں سے سچی توبہ کرلے۔ جب انسان اس حالت میں فوت ہوگا تو ان شاء اللہ یہ رُتبہء بلند اُس کو ضرور ملے گا۔

لیکن یہ بات ہرگز نہ بھولنی چاہیئے کہ کلمہ شہادت کا صرف اقرار کافی نہیں ہے بلکہ اس کلمہ کو انتہائی مشکل اور ثقیل قیود سے مقید کر دیا گیا ہے جن کی پابندی کرنا اور اُن پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے۔

اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو اخلاص کے مفہوم سے بالکل نابلد ہیں۔ اور ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے جو رسم و رواج کے مطابق یا تقلیداً اور عادۃً کلمہ توحید کا اقرار کر لیتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں توحید کی شیرینی اور بشاشت اثر انداز نہیں ہو پاتی۔ اسی قسم کے افراد کو موت کے وقت اور قبر میں تکالیف اور مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب قبر میں سوال ہوگا کہ اسلام کے بارے میں تیرا کیا عقیدہ ہے؟ تو وہ جواب میں کہے گا کہ: ''میرا عقیدہ تو سنی سنائی باتوں پر تھا، جو کچھ لوگوں نے کہا میں نے وہی کچھ دُہرایا''۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال تقلیداً اور محض اپنے آباؤ اجداد کی اقتداء کے نتیجے میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ان ہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ لوگ یہ کہتے ہیں: ترجمہ: ''ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم اُسی کے نقش قدم کی پیروی کر رہے ہیں''۔ (سورۂ یوسف)۔

پس جو شخص لَآ اِلٰہ اِلَّا اللہ کا اقرار تو کرتا ہے لیکن اس کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا بلکہ گناہوں پر گناہ کئے چلا جاتا ہے اگر وہ لَآ اِلٰہ اِلَّا اللہ کے اقرار میں سچا ہے، تاہم اس کے گناہوں کی گٹھڑی اتنی بھاری ہے کہ جس نے اس کے صدق اور یقین کو عملی طور پر شرک اصغر سے ملا دیا ہے اور اعمال صالحہ پر گناہ غالب آ گئے ہیں اور گناہوں پر اصرار ہی کی حالت میں فوت ہوا تو ایسے شخص کا یہ اقرار اس کے گناہوں کو نہیں مٹا سکتا بلکہ اُس کے اعمالِ صالحہ پر اُس کے اعمالِ بد غالب آ گئے۔

زیرِ نظر حدیث اس بات کی شاہد ہے کہ ایمان کے لئے صرف زبان سے شہادت کافی نہیں ہے جب تک کہ اس پر اعتقاد نہ ہو اور نہ ہی بلا اعتقاد شہادت کام آئے گی۔ دوسری بات یہ واضح ہوئی کہ کامل توحید والے شخص پر جہنم حرام ہے۔ اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ یہ عمل اُسی وقت تک کارآمد ہوگا جب تک کہ وہ خالص لوجہ

اللہ اور سنت کے مطابق ادا کیا گیا ہو۔

عن ابن سعید الخدری رضی اللہ عنہ عَنْ رَّسُوْلِ اللهِ ﷺ قَالَ قَالَ مُوْسٰی یَا رَبِّ عَلِّمْنِیْ شَیْئًا اَذْکُرُکَ وَ اَدْعُوْکَ بِهٖ قَالَ قُلْ یَا مُوْسٰی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ قَالَ یَارَبِّ کُلُّ عِبَادِکَ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا قَالَ یَا مُوْسٰی لَوْ اَنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَ عَامِرَهُنَّ غَیْرِیْ وَ الْاَرْضِیْنَ السَّبْعَ فِیْ کَفَّةٍ وَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ فِیْ کَفَّةٍ مَالَتْ بِهِنَّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ رواه ابن حبان و الحاکم و صححه و للترمذی و حسنه

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے میرے رب! مجھے ایسی چیز بتا جس سے تیری یاد کروں اور تجھ سے دُعا کیا کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! لا اِلٰہ اِلَّا اللہ پڑھا کر۔ جناب موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ اے میرے رب: اسے تو تیرے سب بندے پڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! سوائے میرے اگر ساتوں آسمان اور ان کے باشندے اور ساتوں زمینیں، ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں اور دوسرے پلڑے میں صرف لا اِلٰہ اِلَّا اللہ رکھ کر وزن کیا جائے تو لا اِلٰہ اِلَّا اللہ والا پلڑا بھاری ہوگا۔ اس حدیث کو ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

قولہ قُلْ یَا مُوْسٰی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ :۔ اس جملے سے واضح ہوا کہ لا اِلٰہ اِلَّا اللہ کا پورا ورد کرنا چاہیئے۔ صرف لفظ ''اللہ'' یا صرف لفظ ''ھو'' پر اکتفا کرنا غلط ہے جیسا کہ غُلات وجُہال صوفیا کرتے ہیں۔ اُن کا یہ عمل بدعت اور گمراہی پر مبنی ہے۔ چونکہ پورے عالم کو کلمہ طیبہ لا اِلٰہ اِلَّا اللہ کی اشد ضرورت تھی اس کے علاوہ کسی بھی وظیفہ کی اتنی حاجت اور ضرورت نہ تھی اس بنا پر اس ذکر کو کثرت سے بیان کیا گیا۔ اس کو یاد کرنا بھی آسان بنا دیا گیا اور اس کا معنی بھی جامع ہے۔ لیکن افسوس کہ جاہل عوام اور صوفیوں نے اس عظیم اور بابرکت ذکر کو چھوڑ کر ایسے نئے نئے وظیفے اور وِرد ایجاد کر لئے ہیں جن کا کتاب وسنت میں کہیں ذکر نہیں ملتا۔

زیر بحث حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ لا اِلٰہ اِلَّا اللہ افضل الذکر ہے۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: ترجمہ: تمام دعاؤں سے افضل ترین عرفہ کی دعا ہے اور تمام ادعیہ سے بہتر وہ دعا ہے جو میں نے اور مجھ سے پہلے تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، وہی بادشاہ ہے سب قسم کی حمدیں اُسی کو لائق ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (مسند احمد، ترمذی)۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ایک اور مرفوع روایت منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ترجمہ: قیامت کے دن پوری کائنات کے سامنے ایک شخص کو بلایا جائے گا اور اس کے سامنے اُس کے ۹۹ دفتر برائیوں کے رکھ دیئے جائیں گے۔ ہر دفتر اتنا لمبا چوڑا ہوگا کہ جہاں تک نظر کام کرتی ہے وہ پھیلا ہوا دکھائی دے گا۔ اس شخص سے سوال ہوگا کہ ان برائیوں میں سے کسی ایک کی تردید کرسکتا ہے؟ آیا میرے محافظوں نے کوئی ظلم تو نہیں کیا؟ گناہ گار جواب دے گا مجھے انکار کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اس سے پھر سوال ہوگا کہ کوئی عذر ہو تو پیش کرو؟ یا کوئی عمل صالح ہو تو پیش کرو۔ بندہ ڈرتے ڈرتے جواب دے گا کہ مجھے کوئی عذر نہیں اور نہ میرے پاس کوئی عمل صالح ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملے گا کہ تمہاری ایک نیکی ہمارے پاس محفوظ ہے تم پر آج ظلم نہیں کیا جائے گا، اس کا ایک کاغذ کا پرزہ نکالا جائیگا جس پر لکھا ہوگا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سچے رسول اور اس کے بندے ہیں۔ گنہگار بندہ عرض کرے گا کہ یا اللہ اتنے بڑے بڑے دفتروں کے مقابلے میں ایک کاغذ کے پرزے کی کیا حیثیت ہے؟ جواب ملے گا کہ آج تجھ پر ذرہ بھر ظلم نہ ہوگا۔ چنانچہ بڑے بڑے دفتر ترازو کے ایک پلڑے میں اور کاغذ کا ایک پرزہ دسرے پلڑے میں رکھ کر جب وزن کیا جائے گا تو لا الٰہ الا اللہ کے کاغذ والا پلڑہ بھاری ہوجائیگا۔ (ترمذی)۔

عن انس رضی اللہ عنہ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ قَالَ اللهُ تَعَالٰى يَابْنَ اٰدَمَ لَوْ اَتَيْتَنِىْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ خَطَايَا ثُمَّ لَقِيْتَنِىْ لَا تُشْرِكُ بِىْ شَيْئًا لَاَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے ابن آدم! اگر تو میرے پاس گناہوں سے پوری زمین بھر کر لے آئے پھر اس میں شرک نہ ہو تو میں اسی مقدار میں بخشش کی بارش کروں گا۔ (ترمذی)۔

اللہ رب العزت نے مغفرت کے لئے بڑی زبردست اور بھاری شرط لگائی ہے کہ شرک قلیل ہو یا کثیر، شرک اکبر ہو یا شرک اصغر، بہر حال شرک سے صحیح سلامت رہنا مغفرت کے لئے شرط اوّل ہے اور اس سے وہی انسان محفوظ رہ سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قلب سلیم سے نوازا ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ترجمہ: ''جب کہ نہ مال کوئی فائدہ دے گا نہ اولاد بجز اس کے کہ کوئی شخص قلب سلیم لئے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہو''۔ (الشعراء: ۸۸تا۸۹)۔

زیر بحث حدیث کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جس شخص کے

گناہوں کا عالم یہ ہو کہ ان سے زمین کا چپہ چپہ بھرا ہوا ہو، لیکن وہ اپنے نامہء اعمال میں توحید کی دولت رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کے سب گناہ معاف فرما دے گا۔ اگر انسان توحید میں کامل ہے، اس میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے اور توحید کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے، دل، زبان اور جوارح سے اس کے شروط کا پابند ہے یا موت کے وقت صرف دل اور زبان سے اس کو ماننے کا اقرار کرتا ہے تو اس کے تمام گزشتہ گناہ معاف کر دے گا اور اس کی لازماً مغفرت فرمائے گا۔ اس کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے گا۔ پس جس شخص نے کلمہء توحید کو دل سے تسلیم کر لیا تو اس کے قلب سے غیر اللہ کی محبت، تعظیم، اس کی بڑائی، اور اس کا ڈر، خوف اور توکل یکسر نکل جائے گا اور یہ کلمہ اُس کے تمام خطایا و معاصی کو جلا کر رکھ دے گا اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں''۔

فیہ مسائل

☆ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی وسعت۔ ☆ رب کریم کے ہاں توحید کے اجر و ثواب کی کثرت۔ ☆ اجر و ثواب کے علاوہ توحید گناہوں کا کفارہ بھی ہے۔ ☆ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو پانچ باتیں ہیں اُن پر غور۔ ☆ اگر سیدنا عبادہ بن صامت اور سیدنا عتبان رضی اللہ عنہما کی احادیث کو جمع کرو گے تو لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کے معنی سمجھ میں آ جائیں گے اور جو لوگ دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں ان کی غلطی واضح ہو جائے گی۔ ☆ سیدنا عتبان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو شرط ہے اس پر خوب غور کرنا چاہیئے۔ ☆ انبیائے کرام علیہم السلام بھی لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کی فضیلت جاننے کے محتاج تھے۔ ☆ اس بات پر بطورِ خاص غور کرنا ضروری ہے کہ لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ تمام چیزوں سے بھاری ہے مگر بہت سے بدقسمت لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کہنے والوں کی ترازو ہلکی ہوں گی۔ ☆ اس بات کی صاف تصریح موجود ہے کہ آسمانوں کی طرح زمین کے بھی سات طبقے ہیں۔ ☆ زمینوں اور آسمانوں میں آبادیاں ہیں۔ ☆ اللہ کریم کی صفات کا ثبوت بخلاف اشعریہ کے (وہ صفات الٰہیہ کا انکار کرتے ہیں)۔ ☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام دونوں کو اللہ کا بندہ اور رسول کہنے میں غور و فکر کرو۔ ☆ اس بات کی معرفت کہ (صاحب توحید کا لازمی جنت میں جانا) اگرچہ وہ کیسے ہی عمل کرتا ہو۔ ☆ اللہ تعالیٰ کے لفظ ''وجہ'' یعنی ''چہرہ'' کا استعمال ہونے کو سمجھنا۔

بابُ

مَنْ حَقَّقَ التَّوحِیْدَ دَخَلَ الْجَنَّۃَ بِغَیْرِ حِسَابٌ

اس باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو شخص توحید خالص پر عمل پیرا ہوا، وہ بلا حساب جنت میں داخل ہو گیا۔

مَنْ حَقَّقَ التَّوحِیْدَ دَخَلَ الْجَنَّۃَ بِغَیْرِ حِسَابٌ

تحقق کے معنی یہ ہیں کہ انسان توحید کو اپنے عمل میں سمو لے اور اس کو شرک، بدعت اور معاصی کے شائبوں سے پاک کرے۔ توحید کو اپنے اعمال و کردار میں سمو لینا اُمت محمدیہ کے لئے بہت ضروری ہے۔ یہ ان اہل ایمان کی خاص علامت ہے جن کو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے چن لیتا ہے۔ مخلصین کی تعداد ابتدائے اسلام میں بکثرت تھی لیکن آخر میں بہت کم رہ جائے گی اور وہ بھی مساکین پر مشتمل ہوگی، البتہ ان کی قدر و منزلت اللہ کریم کے ہاں بہت بلند ہوگی۔

بِغَیْرِ حِسَابٍ کا مطلب یہ ہے کہ اسے عذاب نہ ہوگا۔

قول اللہ تعالیٰ: اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًا وَ لَمْ یَكُ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ

جناب ابراہیم علیہ السلام اپنی ذات میں ایک پوری اُمت تھے، اللہ کے مطیع فرمان اور یک سُو وہ کبھی مشرک نہ تھے۔ **(النحل:۱۱)**۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی وہ صفات بیان فرمائی ہیں جو توحید کی اصل غرض و غایت ہیں۔

۱۔ پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ **كَانَ اُمَّةً**: یعنی جناب ابراہیم علیہ السلام بہترین نمونہ تھے، معلمِ خیر اور امام تھے۔ ان کی زندگی مخلوقِ الٰہی کے لئے مشعل راہ تھی۔ یہ بلند مقام جناب ابراہیم علیہ السلام کو اس وقت حاصل ہوا جب انہوں نے صبر اور یقین کامل کی تمام منزلوں کو طے کر لیا حقیقت میں یہی وہ دو وصف ہیں جن کی وجہ سے ایک انسان دین میں امامت کے بلند و بالا مقام پر فائز ہو جانے کے قابل ہو جاتا ہے۔

۲۔ قَانِتًا شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زندگی کو اطاعت الٰہی میں تسلسل و دوام کے ساتھ گزار دینے کا نام قنوت ہے۔

۳۔ اِنَّهُ كَانَ حَنِيْفًا علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص اللہ کی طرف پوری طرح متوجہ ہو اور ماسوٰی اللہ سے منہ موڑ لے، اسے اَلْحَنِيْفُ کہتے ہیں۔

۴۔ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْن: جناب ابراہیم علیہ السلام اخلاص اور توکل جیسے عظیم عمل میں یکتا و فرد اتھے اور سچائی کی اعلیٰ منزل پر فائز تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ شرک کی آلائشوں سے پاک اور اس کی حدود سے دور تھے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: (ترجمہ) جب انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا ''ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں۔ ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت ہوگئی اور بیر پڑ گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ'' (الممتحنہ:۴)۔

اللہ تعالیٰ نے جناب ابراہیم علیہ السلام کا وہ مشہور قول بھی نقل کیا جو انہوں نے اپنے باپ آذر سے کہا تھا: (ترجمہ) ''میں آپ لوگوں کو بھی چھوڑتا ہوں اور اُن ہستیوں کو بھی جنہیں آپ لوگ اللہ کے علاوہ پکارا کرتے ہیں۔ میں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا۔ اُمید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کے نامراد نہ رہوں گا۔ پس جب وہ ان لوگوں سے اور ان کے معبودان غیر اللہ سے جدا ہو گیا تو ہم نے اس کو اسحاق (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) جیسی اولاد دی اور ہر ایک کو نبی بنایا''۔ (سورۂ مریم)۔

جناب ابراہیم علیہ السلام نے شرک اور مشرکین سے بیزاری کا اظہار، ان سے عداوت اور ان کے کافرانہ عقائد سے انکار کر کے اور ان سے دشمنی کر کے تحقیق توحید کی وہ تصویر کھینچی ہے جس کی مثال پیش کرنا ممکن نہیں۔

زیر بحث آیت اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً سے یہ بات وضح ہوتی ہے کہ اہل توحید کو اپنی قلتِ تعداد پر گھبرانا نہ چاہیے۔

قولہ: قَانِتًا لِّلّٰہ یعنی سیدنا ابراہیم علیہ السلام نہ تو بادشاہوں کے سامنے جھکتے تھے اور نہ فضول خرچ تاجروں کے حضور گردن کو خم کرتے تھے۔

قولہ: حَنِيْفًا یعنی ابراہیم علیہ السلام فریب خوردہ عُلماء کی طرح اِدھر اُدھر جھک جانے کے قائل نہ تھے۔

وقال: وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ (المومنون:۵۹) اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کیساتھ شرک نہیں کرتے۔

یہ ان مومنین کی صفت ہے جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ان کی وہ خوبی بیان فرمائی ہے جو سب سے اعلیٰ وارفع ہے۔ یعنی یہ کہ ان کا دامن شرک سے آلودہ نہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ انسان کو بسا اوقات ایسے ایسے واقعات اور اعمال سے واسطہ پڑتا ہے جو اس کے اسلام اور ایمان کو داغدار کر دیتے ہیں۔ جیسے شرکِ جلی اور شرکِ خفی۔ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ایک پکے اور سچے مومن کی یہ تعریف بیان کی کہ لَا یُشْرِکُوْنَ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ کسی صورت میں بھی شرک کا ارتکاب نہیں کرتے۔ یہی معنیٰ ہے توحید کو اپنے اعمال میں سمونے کا۔ اس سے اعمال سنورتے اور نفع بخش ثابت ہوتے ہیں۔ اعمال میں یہ جلا اس وقت پیدا ہوگی جب انسان شرکِ اصغر سے دامن بچائے رکھے۔ رہا شرکِ اکبر تو اس سے انسان سرے سے مسلمان ہی نہیں رہتا۔

عن حصین بن عبدالرّحمن قال کُنتُ عِنْدَ سَعِیْدِ بن جُبَیرٍ فَقَالَ اَیُکُمْ رَاَی الْکَوْکَبَ الَّذِیْ اِنْقَضَّ الْبَارِحَۃ فَقُلْتُ اَنَا ثُمَّ قُلْتُ اَمَا اِنِّیْ لَمْ اَکُنْ فِیْ صَلٰوۃٍ وَلٰکِنِیْ لُدِغْتُ قَالَ فَمَا صَنَعْتَ قُلْتُ اِرْتَقَیْتُ قَالَ فَمَا حَمَلَکَ عَلٰی ذٰلِکَ قُلْتُ حَدِیْثٌ حَدَّثَنَاہُ الشَّعْبِیُّ قَالَ مَا حَدَّثَکُمْ قُلْتُ حَدَّثَنَا عَنْ بُرَیْدَۃَ بْنِ الْحُصَیْبِ اَنَّہٗ قَالَ لَا رُقْیَۃَ اِلَّا مِنْ عَیْنٍ اَوْ حُمَۃٍ قَالَ وَ قَدْ اَحْسَنَ مَنِ انْتَھٰی اِلٰی مَا سَمِعَ وَلٰکِنْ حَدَّثَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّہٗ قَالَ عُرِضَتْ عَلَیَّ الْاُمَمُ فَرَاَیْتُ النَّبِیَّ وَ مَعَہُ الرَّھْطُ وَالنَّبِیَّ وَ مَعَہُ الرَّجُلُ وَالرَّجُلَانِ وَالنَّبِیَّ وَ لَیْسَ مَعَہُ اَحَدٌ قولہٗ وَالنَّبِیَّ وَ مَعَہُ الرَّجُلُ وَالرَّجُلَانِ وَالنَّبِیَّ وَ لَیْسَ مَعَہٗ اَحَدٌ اِذْ رُفِعَ لِیْ سَوَادٌ عَظِیْمٌ فَظَنَنْتُ اَنَّھُمْ اُمَّتِیْ فَقِیْلَ لِیْ ھٰذَا مُوْسٰی وَ قَوْمُہٗ فَنَظَرْتُ فَاِذَا سَوَادٌ عَظِیْمٌ فَقِیْلَ لِیْ ھٰذِہٖ اُمَّتُکَ وَ مَعَھُمْ سَبْعُوْنَ اَلْفاً یَّدْ خُلُوْنَ الْجَنَّۃَ بِغَیْرِ حِسَابٍ وَلَا عَذَابٍ ثُمَّ نَھَضَ فَدَخَلَ مَنْزِلَہٗ فَخَاضَ النَّاسُ فِیْ اُولٰئِکَ فَقَالَ بَعْضُھُمْ فَلَعَلَّھُمُ الَّذِیْنَ صَحِبُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ وَقَالَ بَعْضُھُمْ فَلَعَلَّھُمُ الَّذِیْنَ وُلِدُوْا فِی الْاِسْلَامِ فَلَمْ یُشْرِکُوْا بِاللّٰہِ شَیْئاً وَذَکَرُوْا اَشْیَآءَ فَخَرَجَ عَلَیْھِمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَاَخْبَرُوْہُ فَقَالَ ھُمُ الَّذِیْنَ لَا یَسْتَرْقُوْنَ وَ لَا یَکْتَوُوْنَ وَ لَا یَتَطَیَّرُوْنَ وَ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ فَقَامَ عُکَّاشَۃُ ابْنُ مِحْصَنٍ فَقَالَ اُدْعُ اللّٰہَ اَنْ یَجْعَلَنِیْ مِنْھُمْ قَالَ اَنْتَ مِنْھُمْ ثُمَّ قَامَ رَجُلٌ اٰخَرُ فَقَالَ اُدْعُ اللّٰہَ اَنْ یَجْعَلَنِیْ مِنْھُمْ فَقَالَ سَبَقَکَ بِھَا عُکَّاشَۃُ

حصین بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ سعید بن جبیر کے پاس تھا کہ سعید کہنے لگے:

آج رات ستارے کو ٹوٹتے ہوئے تم میں سے کس نے دیکھا ہے؟ حصین نے کہا کہ ہاں میں نے دیکھا ہے۔ پھر کہنے لگے کہ میں نماز میں مشغول نہ تھا بلکہ مجھے کسی چیز نے کاٹ کھایا تھا جس کی مجھے سخت تکلیف تھی۔ انہوں نے کہا پھر تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا کہ میں نے جھاڑ پھونک سے کام لیا۔ انہوں نے کہا یہ کیوں کیا؟ میں نے کہا شعبی سے مروی ایک حدیث کی بناء پر۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا حدیث ہے جو انہوں نے بیان کی ہے؟ میں نے کہا ہم سے بریدہ بن الحصیب رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث بیان کی کہ نظر بد اور کسی زہریلی چیز کے کاٹ کھانے کے سوا اور کہیں جھاڑ پھونک یا دم مفید نہیں۔ جس شخص نے جو سنا اسی پر اکتفا کیا اور اسی پر عمل پیرا رہا تو اس نے بہت اچھا کیا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ: مجھے بہت سی اُمتیں دکھائی گئیں۔ میں نے دیکھا کہ کسی نبی کے ساتھ تو بہت بڑی جماعت ہے اور کسی نبی کے ساتھ صرف ایک یا دو ہی آدمی ہیں اور ایسے نبی کو بھی دیکھا جس کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا۔ اچانک میرے سامنے ایک انبوہِ کثیر آیا، میں نے خیال کیا کہ کہ میری امت ہوگی لیکن مجھ سے کہا گیا کہ یہ سیدنا مُوسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہے۔ اس کے بعد میں نے ایک بہت ہی بڑے انبوہ کو دیکھا، مجھے بتایا گیا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہے اور آپ کی امت میں ستر ہزار افراد وہ ہیں جو بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ واقعات سُنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر تشریف لے گئے۔ پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہ آپس میں ان ستر ہزار افراد کے بارے میں قیاس آرائیاں کرنے لگے۔ بعض کا کہنا تھا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہے۔ بعض صحابہ کرام نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اسلام میں پیدا ہوئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کیا، اس کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اور توجیہات بھی کیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی مختلف آراء کا اظہار کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ یہ وہ افراد ہوں گے جو دَم نہیں کرواتے۔ اور نہ وہ اپنے جسموں کو داغنے کے قائل ہیں۔ اور نہ وہ فال لیتے ہیں اور وہ اپنے اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ عکاشہ بن محصن نے کھڑے ہو کر عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں سے کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو ان میں سے ہی ہے۔ اس کے بعد ایک دوسرے صحابی نے عرض کیا کہ میرے لئے بھی دعا فرمایئے کہ اللہ مجھے بھی ان میں سے کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے عکاشہ رضی اللہ عنہ بازی لے گیا۔

حدیث مبارک کے ان الفاظ سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو کثرت تعداد کو صحبت مذہب کی دلیل

قرار دیتے ہیں۔نجات پانے والے اگرچہ قلیل تعداد میں ہی ہوتے ہیں۔حقیقت میں یہی سوادِ اعظم ہیں۔ کیونکہ ان کی قدر ومنزلت اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بلند ہے۔لہٰذا لوگوں کی کثرتِ تعداد پر دھوکہ نہ کھانا چاہئے کیونکہ سابقہ لوگ اسی کثرت کے گھمنڈ میں آکر ہلاک ہوگئے،حتیٰ کہ بعض اہل علم بھی جاہلوں اور گمراہ افراد کے عقائد میں گرفتار ہوگئے اور کتاب وسنت کو پس پشت ڈال دیا۔

امت محمدیہ کی اس درجہ عظمت وتوقیر اور ستر ہزار افراد کے بلاحساب جنت میں داخل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے توحید کو فکر وعمل میں سمونے کی کوشش کی۔

۱۔ مسند احمد اور بیہقی میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ: (ترجمہ) میں نے اپنے رب سے تعداد میں اضافے کی التجا کی تو اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار کے ساتھ مزید ستر ہزار کا اضافہ کردیا۔

۲۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ راقی اور مسترقی میں فرق واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''مسترقی تو وہ سائل ہوتا ہے جو بصدق قلب غیر اللہ کی طرف مائل اور ملتفت ہو بخلاف راقی یا دم کرنے والے کے کہ یہ بصدق قلب احسان کا اظہار کرتا ہے۔پھر فرماتے ہیں کہ ستر ہزار افراد کی یہ صفت توکل علی اللہ کی وجہ سے ہے کہ وہ کسی دم کرنے والے کے دم کی خواہش کا اظہار بھی نہیں کرتے''۔

۳۔ وہ ستر ہزار افراد جو بلاحساب وکتاب جنت میں داخل ہوں گے ان کی نمایاں صفت یہ ہے کہ وہ شرک کی کسی بھی قسم میں مبتلا نہ ہوں گے اور اپنی حقیر سے حقیر ضرورت کو بھی انہوں نے غیر اللہ کے سامنے نہ رکھا،حتیٰ کہ دم کرانے اور سنگھی لگوانے تک کی پروانہ کی۔اس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ ان کا اللہ پر توکل اور بھروسہ تھا۔ اپنی مشکلات صرف اللہ کے سامنے پیش کرتے تھے اور اللہ کی قضا وقدر کے علاوہ کسی کی طرف بھی ان کی توجہ نہ تھی۔وہ صرف اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے،اس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ان کا عقیدہ یہ تھا کہ جو مشکلات پیش آتی ہیں وہ اللہ کی تقدیر اور اس کی مرضی کے مطابق آتی ہیں لہٰذا وہ مصائب ومشکلات میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے۔جیسا کہ قرآن کریم میں جناب یعقوب علیہ السلام کا رجوع الی اللہ منقول ہے کہ: قَالَ اِنَّمَا اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْ اِلَى اللهِ انہوں نے کہا کہ ''میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کی فریاد اللہ کے سوا کسی سے نہیں کرتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اصل اور جامع بنیاد کی طرف اشارہ کیا ہے جس پر تمام افعال اور خصائل کی تعمیر ہوتی ہے اور وہ ہے توکل علی اللہ،یعنی سچے دل سے اللہ کی طرف رجوع ہونا،اس کی ذات پر کامل اعتماد ویقین

رکھنا۔توحید کا یہی وہ اعلیٰ مقام ہے جہاں سے محبت،خوف ورجاء اور اللہ تعالیٰ کو رب اور اِلٰہ ومعبود تسلیم کرنے کے سوتے پھوٹتے ہیں اور جہاں قضائے الٰہی کے فیصلوں پر اظہار خوشی کا ثمرہ ملتا ہے۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اس حدیث سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ لوگ بالکل ظاہری اسباب کا سہارا اختیار نہیں کرتے تھے کیونکہ ظاہری اسباب کو استعمال میں لانا تو ایک فطری امر ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ ظاہری اسباب کو بروئے کار لانا عین توکل ہے۔

اس مقام پر علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ:''مندرجہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ اسباب کو بروئے کار لانا اور علاج کے لئے کوشاں ہونا ضروری ہے اور یہ کوشش توکل کے خلاف نہیں ہے۔جیسا کہ بھوک اور پیاس کو ختم کرنے کے لئے کھانا پینا اور گرمی سردی سے بچاؤ کے لئے موسم کے مطابق کپڑے پہننا توکل کے خلاف نہیں بلکہ اسباب کو استعمال میں لانا عین توکل ہے جو لوگ اسباب کو ترک کر کے بیٹھ جاتے ہیں بسا اوقات ان کے توکل میں خلل اور نقص پیدا ہو جاتا ہے اور ترکِ اسباب توکل کے سراسر منافی ہے۔درحقیقت توکل انسان کے اعتماد علی اللہ کے لئے لازمی ہے۔جس سے دین ودنیا کے فوائد حاصل کرنے میں انسان کو مدد ملتی ہے اور وہ دین ودنیا میں فساد سے محفوظ رہتا ہے اور اس اعتماد کے لئے اسباب کو بروئے کار لانا انتہائی ضروری ہے جو شخص اسباب کو چھوڑ جاتا ہے گویا اس نے حکمت ودانائی اور شریعت کو چھوڑ دینے کے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔پس انسان کو چاہئے کہ وہ ترکِ اسباب کو توکل نہ سمجھ بیٹھے اور نہ توکل کو ترک،اسباب کا بہانہ بنائے۔

فیہ مسائل

☆ توحید کے بارے میں لوگوں کے درجات کی معرفت۔ ☆ توحید کی تحقیق یا اس کو زندگی میں سمونے کے کیا معنی ہیں؟ ☆ اللہ تعالیٰ کا جناب ابراہیم علیہ السلام کی اس بات پر تعریف کرنا کہ اُن کا دامن شرک سے آلودہ نہ تھا۔ ☆ اونچے درجے کے لئے اولیاء کرام کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی کہ ان کا دامن شرک سے پاک ہے۔ ☆ دم کرانے اور داغ دلوانے کو چھوڑ دینا،یہی توحید کے تقاضوں کو پورا کرنا ہے۔ ☆ ان اوصاف کا حامل ہونا ہی توکل ہے۔ ☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علم ومعرفت کی گہرائی اس بناء پر تھی کہ وہ اسے عمل کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ ☆ اس سے اعمالِ صالحہ کے لئے ان کی حرص ومحبت کا پتا چلتا ہے۔ ☆ اُمت محمدیّہ کی اس فضیلت کا علم ہوتا ہے کہ وہ رفعت درجات اور کثرت تعداد کے لحاظ سے تمام اُمتوں سے افضل ہے۔ ☆ سیدنا موسیٰ

علیہ السلام کی اُمت کی فضیلت اور شرف۔ ☆ رسول اللہ ﷺ کے اس معجزے کا بھی علم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے تمام انبیائے کرام کی اُمتوں کو پیش کیا گیا۔ ☆ یہ کہ میدان حشر میں تمام اُمتیں اپنے اپنے انبیاء کے ساتھ ہوں گی۔ ☆ انبیاء کی دعوت کو عام طور پر کم ہی لوگوں نے قبول کیا۔ ☆ جس نبی کو کسی شخص نے بھی تسلیم نہیں کیا وہ اکیلا ہی دربارِ الٰہی میں پیش ہوگا۔ ☆ علم صحیح کا ثمرہ یہ ہے کہ انسان کثرت تعداد پر غرور نہ کرے اور قلت تعداد سے پست ہمت نہ ہو۔ ☆ بچھو اور سانپ وغیرہ موذی چیزوں کے زہر اور نظرِ بد سے دم کرانے کی رخصت۔ ☆ جناب سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے کہ ''قَدْ اَحْسَنَ من انتھیٰ الی ما سمع'' سلف امت کے تبحر علمی کی نشان دہی ہوتی ہے۔ ☆ سلف صالحین کا بلا استحقاق کسی کی مدح وستائش سے دور رہنا۔ ☆ رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد کہ انت منھم (کہ تو ان میں سے ہی ہے) آپ کی علامات نبوت میں سے تھا۔ ☆ سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا علم۔ ☆ رسول اللہ ﷺ ذو معنی کلام سے بھی کام لیا کرتے تھے۔ ☆ رسول اللہ ﷺ کا حسن خلق۔

باب

الخوف من الشرک

اس باب میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ شرک سے ڈرنا ضروری ہے

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۔(النساء)

اللہ بس شرک ہی کو معاف نہیں کرتا، اس کے ماسوا دوسرے جس قدر گناہ ہیں، وہ جس کے چاہتا ہے، معاف کر دیتا ہے۔

شرک کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بغض وعناد اور کینہ رکھا جائے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے کبر و بغاوت کا اظہار کیا جائے اس کے سامنے اپنے آپ کو گرانے اور مطیع ہونے سے کنارہ کشی اختیار کی جائے۔

شرک اس لئے بھی بدترین فعل ہے کہ اس سے خالق اور مخلوق کے درمیان تشبیہ پائی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی تمام خصوصیاتِ الوہیت میں یکتا ہے۔

کسی کو تکلیف اور مصیبت میں مبتلا کرے تو اللہ، کسی کو نفع اور فائدہ پہنچائے تو اللہ، کسی کو کچھ دے تو اللہ،

کسی سے کوئی چیز چھین لے تو اللہ۔

یہ سب باتیں اللہ کے اختیار میں ہیں اب اگر کوئی شخص دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے، دوسروں سے ڈرتا ہے اور دوسروں پر بھروسہ رکھتا ہے تو وہ گویا مخلوق کو خالق کے ساتھ ملا دینے کی کوشش کرتا ہے اور تشبیہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

یعنی ایسے شخص کو معبود قرار دے لیتا ہے جو☆ نہ تو اپنی جان کو نفع پہنچا سکتا ہے، ☆ نہ اپنی جان کو نقصان پہنچانے پر قدرت رکھتا ہے، ☆ نہ اسے موت پر اختیار ہے، ☆ اور نہ زندگی پر دسترس۔ ☆ نہ اسے اس پر قدرت ہے کہ خود بخود مرنے کے بعد جی اٹھے۔ ایسی کمزور اور بے بس مخلوق کو اس اللہ تعالیٰ کے ساتھ تشبیہ دینا جو☆ تمام طرح کی ستائش کا سزاوار ہے، ☆ جس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ ☆ جس کی زمین و آسمان میں بادشاہت ہے۔ ☆ اور جس کے ہاں ہر شے کو بالآخر لوٹنا ہے۔ ☆ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہر طرح کی بھلائی اور خیر ہے۔ ☆ اور وہی تمام مشکلات پر قابو رکھتا ہے۔ ☆ وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوسکتا۔ ☆ وہ جسے دینا چاہے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ ☆ اور جس سے کسی نعمت کو روک لے اسے کوئی دے نہیں سکتا۔ ☆ جب وہ لوگوں پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے تو اسے بند کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ ☆ اور جس کے لئے بند کر دے تو اس کے لئے کھولنے والا کوئی نہیں۔ ☆ وہ عزیز بھی ہے اور حکیم بھی۔ ☆ پس جو فی نفسہٖ عاجز، مسکین و فقیر ہو، اس کو اس ذات سے تشبیہ دینا جو بذاتِ خود قادر اور غنی ہو، یہ انتہا درجے کی بری تشبیہ ہے۔

الٰہ کے خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ تمام وجوہ سے کامل ترین ذات ہو جس میں کوئی نقص نہ ہو۔ یہی وہ اعلیٰ صفت ہے جس کی بناء پر وہ تمام عبادات کا تنہا مستحق ٹھہرتا ہے۔ تعظیم و توقیر، خشیت و دعا، رجاو انابت، توکل و توبہ، استعانت اور انتہائی محبت و شفقت، کمال تضرع و تذلل کے ساتھ، عقل، فطرت اور شرع کا یہ تقاضہ ہے کہ یہ تمام چیزیں بجز اللہ تعالیٰ کی ذات کے اور کسی کو زیب نہیں دیتیں۔

جس کم عقل نے یہ صفات کسی مخلوق میں سمجھیں اس نے غیر اللہ کو ایسی ذات سے تشبیہ دی جس کے کوئی مشابہ اور ہم پلہ نہیں اور جس کا کوئی شریک ہے نہ نظیر ہے۔

ان ہی اُمور کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ وہ شرک جیسے بدترین عمل کو ہرگز نہ بخشے گا۔ باوجود اس کے کہ وہ اپنے اوپر رحمت کو لازم قرار دے چکا ہے۔

وَقَالَ الخَلِیل وَاجْنُبْنِی وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامُ ''اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا''۔

سیدنا ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام بارگاہ الٰہی میں دعا گو ہیں کہ اے اللہ! مجھے اور میری اولاد کو اصنام کی عبادت سے بچائے رکھنا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور ان کی اولاد کو اصنام کی عبادت سے صرف دُور ہی نہیں رکھا بلکہ اس کے ساتھ نبوت سے بھی سرفراز فرمایا۔

اس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اصنام کے بارے میں یہ بات بیان فرمائی ہے کہ: (ترجمہ) ''ان اصنام نے بہت سی مخلوق کو گمراہی میں مبتلا کر دیا ہے''۔ لہٰذا ان سے بچتے رہنا چاہئے مبادا ان کی وجہ سے اس دَور میں بھی گمراہی نہ پھیل جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہر زمانے میں اصنام ہی کی وجہ سے لوگ راہ راست سے بھٹکتے رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شرک کی آفت سے وہی شخص بے خوف ہو سکتا ہے جو اس کی سنگینی سے بے خبر ہو اور وہی شخص شرک اور اس کی آفتوں سے محفوظ رہ سکتا ہے جس کو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ارشادات کا علم ہو اور توحید کے اسرار و رموز اس کے سامنے ہوں اور اسے معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے شرک کو ظلم عظیم کے نام سے پکارا ہے۔

صَنَمٌ: پتھر وغیرہ سے بنائی ہوئی تصویر کو صنم کہتے ہیں۔ وَثَنٌ: جو صرف تصویر ہو اسے وثن کہتے ہیں۔ ''صنم'' کو ''وثن'' سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ وثن عام ہے۔ ہر صنم کو وثن کہا جا سکتا ہے قبر بھی وثن میں داخل ہے

و فی الحدیث اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَفُ عَلَیْکُمُ الشِّرکُ الْاَصْغَرُ ایک حدیث میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ تمہارے بارے میں مجھے سب سے زیادہ خطرہ شرکِ اصغر کا ہے۔

صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُم کے بلند مقام اور ان کے کمال علم اور قوت ایمانی کے باوجود جب ان کے بارے میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو شرکِ اصغر کا خطرہ تھا تو ان نفوسِ قدسیہ کے بعد آنے والے مسلمانوں کا کیا حال ہوگا جن کی علمی حیثیت بھی کمزور ہے اور قوت ایمانی بدرجہا ناقص ہے اور خصوصاً دورِ حاضر میں جبکہ علماء تک کا یہ حال ہے کہ توحید کو بس اتنا ہی سمجھتے ہیں جتنا کہ مشرکینِ عرب نے سمجھا تھا۔ یہ لوگ اس حقیقت سے نا آشنا ہیں کہ کلمہء اخلاص یعنی (لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ) نے ہر طرح کے شرک کی جڑ کاٹ دی ہے۔

و عن ابن مسعود اَنَّ رَسُوْ لَ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم قَالَ مَنْ مَاتَ وَ ھُوَ یَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ نِدًّا دَ خَلَ النَّارَ

سیدنا ابنِ مسعود رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ''جو شخص غیر اللہ کو پکارتے

پکارتے مرگیا وہ جہنم میں داخل ہوگا''۔(رواہ البخاری)۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عبادت میں کسی کو اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں شریک بنانا جیسے کسی کو پکارنا، سوال کرنا اور غیر اللہ کی دہائی دینا اور اس سے مدد طلب کرنا، وغیرہ، ایسا شخص جہنم میں داخل ہوگا جو اس طرح کے شرک کا مرتکب ہوگا۔

غیر اللہ کو''نِد'' قرار دینے کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ غیر اللہ کو تمام عبادات میں یا کسی خاص عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، اس کو شرک کہتے ہیں۔ ۲۔ دوسری قسم شرکِ اصغر ہے جیسے کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ''وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ اور تم چاہو گے یا اگر اللہ تعالیٰ اور آپ نہ ہوتے تو، یا، ریا اور دکھلاوا وغیرہ۔ کیونکہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کو کہا تھا کہ: ''جو اللہ تعالیٰ اور آپ ﷺ چاہیں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ''تم نے مجھے اللہ کا شریک بنادیا ہے۔ بلکہ وہی ہوگا جو صرف اللہ تعالیٰ اکیلا چاہے گا''۔

عن جابر اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ مَنْ لَقِیَ اللهَ لَا یُشْرِکُ بِهٖ شَیْئاً دَخَلَ الْجَنَّةَ

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو اس حالت میں موت آئی کہ اُس نے شرک نہیں کیا، تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (صحیح مسلم)۔

وَ مَنْ لَقِیَهُ یُشْرِکُ بِهٖ شَیْئاً دَخَلَ النَّارَ

اور جو شرک کرتے کرتے مرگیا وہ جہنمی ہے۔ (رواہ البخاری)۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ:''مشرک خواہ یہودی ہو یا نصرانی، اہل کتاب میں سے یا وثنی۔ کسی قسم کا بھی مشرک ہو وہ جہنم کا ایندھن بنے گا۔ اہل حق کے نزدیک کسی کا کفر عنادی ہو یا غیر عنادی اس میں کوئی فرق نہیں ہے''۔

ملت اسلامیہ کی جو شخص مخالفت کرے یا مخالفت کے بعد اس پر کفر کا اطلاق ہوتا ہو، ان میں بھی کوئی فرق نہیں ہے البتہ جو شخص شرک کے بغیر جہنم میں جائے گا، اسے بہر حال نجات مل جائے گی۔ جو شخص کبیرہ گناہوں سے بچتے ہوئے فوت ہوا وہ بلا عذاب کے جنت میں داخل ہوگا اور جو کبیرہ گناہ پر مُصر مَرا تو وہ اللہ کی مشیت کے تابع ہے اگر اسے معاف کردیا گیا تو پہلے ہی جنت میں داخل ہوگا ورنہ سزا بھگت کر جنت میں پہنچ جائے گا۔

فیہ مسائل

۱۔شرک سے ڈرنا۔۲۔ریا کاری شرک میں سے ہے۔۳۔ریا کاری شرکِ اصغر ہے۔۴۔نیک لوگوں پر بہ نسبت اور چیزوں کے ریا کاری کا زیادہ خوف کیا جاتا ہے۔۵۔جنت اور دوزخ کا قریب ہونا۔۶۔جنت اور دوزخ کے قریب ہونے کو ایک ہی حدیث میں جمع کرنا۔۷۔جو بلا شرک کئے اللہ تعالیٰ سے ملے گا وہ جنت میں جائے گا اور جو شرک کرتے کرتے اللہ سے ملے گا وہ جہنم میں جائے گا اگر چہ وہ بڑا عابد وزاہد کیوں نہ ہو۔۸۔سب سے اہم مسئلہ یہ بیان ہوا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اپنے اور اپنی اولاد کے لئے دعا کرنا کہ ان کو اللہ اصنام کی عبادت سے محفوظ رکھے۔۹۔سیدنا خلیل اللہ کا اکثر لوگوں کی حالت سے عبرت حاصل کرنا، جیسا کہ کہا: اے اللہ! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔۱۰۔اس میں کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی تفسیر وتوضیح ہے، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔۱۱۔جو شخص شرک سے بچ رہا، اس کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک فضیلت۔

باب

الدعا الی شھادۃ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ

اس باب میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی شہادت وگواہی کے بارے میں وضاحت مذکور ہے

حسن بصری رحمہ اللہ نے جب یہ آیت پڑھی کہ وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللہِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔تو بے ساختہ پکار اٹھے کہ دیکھو: یہ ہیں اللہ کے حبیب، یہ ہیں اللہ کے ولی، یہ ہیں اللہ کے منتخب بندے اور یہ ہیں جو اہل ارض میں سب سے زیادہ اللہ کو پیارے ہیں، یہ ہیں جن کی دُعا کو اللہ تعالیٰ نے شرفِ قبولیت بخشا، یہ ہیں جو اپنی قبول شدہ دعا کی طرف مخلوقِ الٰہی کو بلاتے ہیں، یہ ہیں جنہوں نے قبولیت دُعا کے بعد بھی عمل صالح کا سلسلہ جاری رکھا، اور یہ ہیں جنہوں نے اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ کہا، اور یہ ہیں زمین میں اللہ کے خلیفے اور نائب۔

قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْٓ اُدْعُوْا اِلَی اللہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِیْ وَ سُبْحٰنَ اللہِ وَ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔(یوسف:۱۰۸)

تم ان سے صاف کہہ دو کہ میرا راستہ تو یہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔میں خود بھی پوری روشنی

میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی۔ اور اللہ پاک ہے اور شرک کرنے والوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔

علامہ ابن قیّم آیت اُدْعُ اِلیٰ سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے مدعّوین کے لحاظ سے اس آیت میں دعوت کے تین درجے بیان فرمائے ہیں: ''طالب حق، جو حق بات پسند کرتا اور ترجیح دیتا ہو بشرطیکہ حق بات اس کے ذہن وقلب میں اُتر جائے۔ ایسے شخص کے ساتھ حکمت اور دانائی سے بات کرنی چاہئے، بحث اور جدال سے نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ سامع باطل میں الجھا ہوا ہے، لیکن اگر کوشش اور محنت کے بعد حق بات اس کی سمجھ میں آجائے تو اسے ترجیح دے گا اور قبول کرلے گا۔ ایسے شخص کو ترغیب وترہیب کے انداز سے نصیحت کرنی چاہئے۔ تیسری شکل یہ ہے کہ سامع مقابلے اور عناد پر اتر آیا ہے۔ ایسے شخص کو بطریق احسن دلیل سے سمجھانا چاہئے، اگر مان جائے تو فبہا، ورنہ ممکن ہو تو مجادلہ سے بھی کام لیا جاسکتا ہے''۔

عن ابن عباس اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ لَمَّا بَعَثَ مَعَاذًا اِلَی الْیَمَنِ قَالَ لَہٗ اِنَّکَ تَاْتِیْ قَوْمًا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ فَلْیَکُنْ اَوَّلَ مَا تَدْعُوْھُمْ اِلَیْہِ شَھَادَۃُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وفی روایۃ اِلٰی اَنْ یُّوَحِّدُوا اللّٰہَ فَاِنْ ھُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِکَ فَاَعْلِمْھُمْ اَنَّ اللّٰہَ افْتَرَضَ عَلَیْھِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ وَّ لَیْلَۃٍ فَاِنْ ھُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِکَ فَاَعْلِمْھُمْ اَنَّ اللّٰہَ افْتَرَضَ عَلَیْھِمْ صَدَقَۃً تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَآئِھِمْ فَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَآئِھِمْ فَاِنْ ھُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِکَ فَاِیَّاکَ وَ کَرَائِمَ اَمْوَالِھِمْ وَ اتَّقِ دَعْوَۃَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّہٗ لَیْسَ بَیْنَھَا وَ بَیْنَ اللّٰہِ حِجَابٌ

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا کہ ''تمہارا سامنا اہل کتاب سے بھی ہوگا تمہیں چاہیئے کہ سب سے پہلے ان کو کلمہ لاَ اِلٰہ اِلاَّ اللہ کی دعوت دو''۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرلیں''۔ اگر وہ توحید کا اقرار کرلیں تو پھر ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اگر اس کا بھی اقرار کرلیں تو پھر ان کو بتانا کہ اللہ نے ان کے مال میں زکوٰۃ فرض کی ہے جو مالدار لوگوں سے وصول کرکے فقراء اور مساکین میں مساوی تقسیم کردی جائے۔ اگر وہ زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے تیار ہوجائیں تو ان کے عمدہ مال وصول کرنے سے احتراز کرنا اور مظلوم کی آہ سے ڈرتے رہنا کیونکہ مظلوم کی آہ وپکار اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے

درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گویا اس منصب کی تیاری کے مترادف تھا۔غرض یہ تھی کہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ پہلے سے قلب وذہن کو اس ذمہ داری کے لئے پوری طرح آمادہ اور تیار کرلیں۔

لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کے اقرار وشہادت کے لئے سات شرائط کا پایا جانا لازمی ہے کلمہ شہادت کا اقرار کرنے والوں میں جب تک یہ شرائط نہ ہوں گی اس وقت تک اس کے فوائدِ برکات کا حصول ممکن نہیں ہے:

۱۔ کلمہ شہادت کا اقرار کرنے والا ایسے علم سے بہرہ مند ہو جو جہالت کی ضد ہے۔

۲۔ ایسے یقین سے آراستہ ہو جو شک سے پاک ہو۔

۳۔ ایسی پذیرائی سے مالا مال ہو جس میں تردید کا کوئی شائبہ نہ ہو۔

۴۔ ایسی اطاعت اس کو نصیب ہو جس میں شرک کا امکان نہ ہو۔

۵۔ ایسے اخلاص پر فائز ہو جس میں شرک کا کوئی پہلو نہ پایا جائے۔

۶۔ صدقِ مقال کا وہ مقام حاصل ہو کہ جس میں کِذب نہ ہو۔

۷۔ توحید سے ایسی محبت رکھے جس میں شرک کی مخالفت پائی جائے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''شریعت اسلامی کے مطالعہ سے بالبداہت یہ ثابت ہے، نیز ائمہ اسلام کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ اسلام کی رُوح یا سب سے پہلے انسان جس چیز کا مکلّف اور مامور ہے وہ لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہ کا اقرار ہے۔یہی کلمہ وہ حدِ فاصل ہے جس کے اقرار کے بعد ایک کافر، مسلمان کہلاتا ہے اور دشمن دوست بن جاتا ہے۔یہی وہ کلمہ ہے جس کے اقرار سے پہلے انسان کی جان اور اس کا مال مسلمانوں کے لئے جائز اور مباح تھے، اور اس کے اقرار کے بعد اس کی جان اور مال مسلمانوں پر حرام قرار پائے۔کوئی شخص اگر کلمہ شہادت کا صدقِ دل سے اقرار کرے گا تو ایمان اس کے قلب میں داخل ہو جائے گا اور اسے مومن کہا جائے گا اور اگر کسی شخص نے صرف زبان سے اقرار کیا اور دل میں اس پر یقین نہ کیا تو ایسے شخص کو بظاہر مسلمان ہی کہا جائے گا لیکن حقیقت میں وہ مومن نہ ہوگا۔البتہ جو شخص قدرت اور طاقت کے ہوتے ہوئے اس کلمہ شہادت کا اقرار نہ کرے، ایسا شخص بالاتفاق کافر ہے۔اس پر سلف صالحین، ائمہ کرام اور جمہور محدثین کا اتفاق ہے''۔

اس فرمان نبوی سے پتا چلا کہ کلمہ شہادت کے اقرار اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت ونبوت مان لینے کے

بعد سب سے بڑا کام جو ایک مسلمان کو کرنا چاہئے، وہ نماز کا ادا کرنا ہے۔ گویا شہادتین کے اقرار کے بعد نماز سب سے بڑا فریضہ ہے۔ اس ارشادِ نبوی ﷺ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کے بعد زکوٰۃ کا درجہ ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ زکوٰۃ، امراء سے لے کر فقراء میں تقسیم کر دینی چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فقراء کا خصوصی طور پر ذکر اس لئے فرمایا ہے کہ آٹھ مصارفِ زکوٰۃ میں ان کا حق مقدم اور موکد ہے بنسبت دوسرے مصارف کے۔ ایک بات یہ بھی ثابت ہوئی کہ امام وقت ہی زکوٰۃ کی وصولی اور اس کے خرچ کرنے کا ذمہ دار ہے، یا تو وہ خود وصول کرے یا اپنے کسی نائب کے ذریعے سے وصول کرے، جو شخص زکوٰۃ دینے سے انکار کرے اس سے زبردستی اور سختی سے وصول کی جاسکتی ہے۔ مختلف اشیاء کو جمع کر کے ان کی زکوٰۃ اگر ایک ہی چیز سے نکال دی جائے تو ادا ہو جائیگی۔ غنی اور غیر مولفۃ القلوب کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے مجنون اور بچے کے مال سے زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔

حدیث نبوی ﷺ کے ان الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زکوٰۃ میں عامل کے لئے عمدہ اور نفیس جانور وصول کرنا حرام ہے اور زکوٰۃ دینے والے کو گھٹیا اور ردّی جانور دینا حرام ہے بلکہ درمیانے درجے کا مال ادا کرنا چاہئے۔ ہاں زکوٰۃ دینے والا اگر خوشی سے عمدہ جانور پیش کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

مظلوم کی دعا کو روک دینے کے لئے ترک ظلم اور ادائے عدل کو سپر بناؤ۔ کیونکہ عدل وانصاف اور ترک ظلم، یہ دو اعمال ایسے ہیں جن کے ذریعہ سے انسان دنیا اور آخرت کی تکلیفوں اور مصیبتوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عادل خواہ ایک ہی ہو اس کی بات قابل عمل اور حجت ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ امام وقت اپنے نائب کو زکوٰۃ کی وصولی کے لئے بھیج سکتا ہے۔ امام کو چاہئے کہ وہ اپنے عمال اور نائبین کو تقویٰ اور پرہیزگاری کی وصیت کرے اور ان کو ضروری تعلیمات سے بہرہ ور کرے، ظلم سے بچے رہنے کی تاکید کرے، ظلم کے برے انجام سے ڈرائے۔ اپنے نائب کو یہ سمجھانا بھی ضروری ہے کہ تمام احکام بیک وقت نافذ نہ کئے جائیں بلکہ بتدریج اور آہستہ آہستہ نافذ کئے جائیں اور یہ کہ اہم معاملات اور بنیادی مسائل کو اولیت دے۔

نماز کے تارک پر تو اللہ تعالیٰ نے قتال کرنا ضروری ٹھہرایا ہے کیونکہ ان دونوں عبادتوں کا تعلق ظاہر سے ہے لہٰذا ان کو وضاحت سے بیان کیا گیا بخلاف روزے کے، روزے کا تعلق صرف باطن سے ہے، جیسے وضو اور غسل جنابت وغیرہ۔ یہ ایسے اعمال ہیں جن پر صرف اعتماد کیا جاسکتا ہے، کسی دوسرے کو ظاہری طور پر ان کا علم

محال ہے ممکن ہے کہ انسان روزہ کی نیت نہ کرے اور خفیہ طور پر کھاتا پیتا پھرے، جیسا کہ یہ ممکن ہے کہ انسان اپنی جنابت اور حدث دوسرے سے چھپالے۔ رسول اللہ ﷺ کا طریق یہ تھا کہ آپ ﷺ ان ظاہری اعمال کو بیان فرماتے جن کے تارک سے جنگ کی جاسکتی ہے اور اگر ان کا اقرار کرلے تو مسلمانوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز اور زکوٰۃ پر اسلام کو موقوف رکھا اگرچہ روزہ بھی فرض تھا، جیسا کہ سورہ توبہ کی دو آیات ہیں۔ اگرچہ یہ آیت فرضیتِ روزہ کے بعد نازل ہوئی لیکن اس میں روزے کا ذکر نہیں کیا گیا کہ اس کا تعلق باطن سے ہے، اور حج کا اس لئے ذکر نہیں کیا کہ اس کا وجوب خاص ہے، عام نہیں۔ کیونکہ عمر بھر میں صرف ایک ہی دفعہ فرض ہے''۔

ولهما عن سهل ابن سعد اَنَّ رَسُوْ لَ اللهِ ﷺ قَالَ يَوْمَ خَيْبَرَ لَاُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يُحِبُّ اللهَ وَ رَسُوْلَهُ وَ يُحِبُّهُ اللهُ وَ رَ سُوْلُهُ يَفْتَحِ اللهُ عَلٰى يَدَيْهِ فَبَاتَ النَّاسُ يَدُوْكُوْنَ لَيْلَتَهُمْ اَيُّهُمْ يُعْطَاهَا فَلَمَّا اَصْبَحُوْا غَدَوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ كُلُّهُمْ يَرْجُوْ اَنْ يُّعْطَاهَا فَقَالَ اَيْنَ عَلِيُّ ابْنُ اَبِىْ طَالِبٍ فَقِيْلَ هُوَ يَشْتَكِىْ عَيْنَيْهِ فَاَرْسَلُوْا اِلَيْهِ فَاُتِىَ بِهٖ فَبَصَقَ فِىْ عَيْنَيْهِ وَ دَعَا لَهٗ فَبَرِاَ كَاَنْ لَّمْ يَكُنْ بِهٖ وَجَعٌ فَاَعْطَاهُ الرَّايَةَ فَقَالَ اُنْفُذْ عَلٰى رِسْلِكَ حَتّٰى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ اِلَى الْاِ سْلَامِ وَاَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِّنْ حَقِّ اللهِ تَعَالٰى فِيْهِ فَوَاللهِ لَاَنْ يَّهْدِىَ اللهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ يَدُوْكُوْنَ اَىْ يَخُوْضُوْنَ

صحیحین میں سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ خیبر کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں کل ایسے شخص کو پرچم دوں گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اس سے محبت کرتے ہیں۔ اس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ خیبر کو فتح فرمادے گا، چنانچہ رات بھر صحابہ رضی اللہ عنہم سوچتے رہے کہ پرچم کس کو دیا جائے گا؟ صبح کے وقت تمام صحابہ کرام، رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوگئے اور ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ پرچم اسے دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کہاں ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کی کہ ان کی آنکھ درد کررہی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے علی رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ رسول اللہ ﷺ نے جناب علی رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں لعاب دہن ڈالا اور دعا فرمائی۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اسی وقت اس طرح تندرست ہوگئے جیسے کہ ان کو کوئی درد ہی نہ تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے جناب علی رضی اللہ عنہ کو پرچم دیا اور فرمایا کہ مجاہدین کو لے کر فوراً نکل جاؤ اور خیبر میں جا کر دم لو۔ اور پھر ان کو اسلام کی دعوت دینا۔ اور اللہ تعالیٰ کے جو

حقوق ان پر عائد ہوتے ہیں وہ بتانا۔ پس اے علی رضی اللہ عنہ! اللہ کی قسم، اگر ایک آدمی بھی تیرے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا تو یہ تیرے لیے سرخ اونٹوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

امام احمد اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم کی مندرجہ ذیل شکل نقل کی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا سیاہ رنگ کا تھا البتہ چھوٹے چھوٹے جھنڈے سفید رنگ کے تھے۔ اس پرچم پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر متقی مومن سے محبت رکھتے ہیں اسی طرح ہر متقی مومن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے۔ ہاں، حدیث ان ناصبیوں کے خلاف حجت اور دلیل ہے جو العیاذ باللہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت نہیں رکھتے اور انہیں کافر و فاسق قرار دیتے ہیں، مثلاً خوارج۔ لیکن ان روافض کی یہ بات بھی اسی قبیل سے ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جو نصوص، فضائل صحابہ پر دلالت کناں ہیں، وہ ان کے ارتداد سے قبل کے ہیں (نعوذ باللہ)۔

سوال یہ ہے کہ اس سلسلے میں ان میں خوارج میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے جو اسی نوعیت کی باتیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب معتقدات باطل ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی قطعی طور سے مدد نہیں کرتا جن کے بارے میں وہ جانتا ہے کہ یہ کافر ہو کر مریں گے۔

اس حدیث میں اللہ کی صفتِ محبت بھی ثابت ہوتی ہے، جس کے جہمیہ اور ان کے متبعین مخالف ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں صراحت کے ساتھ حصول کامیابی کی خوشخبری سنائی گئی ہے (یہ کوئی علم غیب نہیں ہے بلکہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ظاہری و باطنی ایمان کی بشارت ہے اور اس بات کی وضاحت ہے کہ جناب علی رضی اللہ عنہ، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے تھے اور ہر مومن کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھنی ضروری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص معین کے متعلق کسی بات کی شہادت دیتے یا اس کیلئے دعا فرماتے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ ان کو بھی یہ شرف حاصل ہو۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے افراد کو اس قسم کی دعا اور شہادت سے نوازا ہے لیکن اس خصوصیت کا مقام و مرتبہ کچھ اور ہی نوعیت کا تھا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت دی تھی۔ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے دیگر صحابہ کرام کو بھی جنت کی بشارت دی ہے لیکن جو بات خصوصیت میں پائی جاتی ہے وہ عموم میں نہیں ہوتی۔ اسی طرح ایک آدمی کو شراب پینے کی سزا دی گئی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے''۔

اسلام کی تشریح کے سلسلے میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''اسلام یہ ہے کہ انسان احکام الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دے، اس کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لئے خشوع و خضوع، اختیار کرے، اس کے سامنے عبودیت کاملہ کا اظہار کرے۔

حدیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ جنگ سے پہلے دعوتِ توحید دینا ضروری ہے۔ ہاں دشمن کو اگر پہلے سے دعوت پہنچائی جا چکی ہے تو پھر ان سے قتال جائز ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو مصطلق پر اچانک حملہ کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو پتا چلا تھا کہ بنو مصطلق مسلمانوں پر حملہ کی تیاری میں مصروف ہیں۔ اور اگر دشمن کو پہلے دعوت اسلام نہیں دی گئی تو جنگ شروع کرنے سے پہلے ان کو دعوت دینا واجب ہے۔ اگر اسلام قبول کر لیں تو پھر ان پر جو ضروری اور واجب حقوق ہیں وہ بتانا جیسے نماز، زکوٰۃ وغیرہ۔

فیہ مسائل

☆ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا اقرار کرلے اس کے لئے ضروری ہے کہ دعوت الی اللہ کا فریضہ ادا کرے۔ ☆ اخلاصِ نیت کی ترغیب کیونکہ اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ دعوت الی اللہ کو لے کر اٹھتے بھی ہیں تو اس میں وہ مخلص نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگوں کو اپنی ذات کی طرف بلاتے ہیں۔ ☆ بصیرت وادراک سے بہرہ مند ہونا۔ ☆ حسن توحید کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر عیب سے پاک مانا جائے۔ ☆ شرک کے بدترین ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے عیب ثابت کرنے کے مترادف ہے۔ ☆ چھٹا مسئلہ بہت ہی اہم ہے، وہ یہ کہ انسان مشرکین سے میل جول نہ رکھے اگرچہ وہ خود شرک کا مرتکب نہ بھی ہوتا ہو۔ ☆ توحید کو قبول کرنا تمام واجباتِ دین پر مقدم ہے۔ ☆ ہر مبلغ کے لئے ضروری ہے کہ وہ نماز، روزہ کی طرف دعوت دینے سے پہلے توحید کا نقش اور اس کی تعلیم خود اپنے سینے میں مرتسم کرلے۔ ☆ رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی: ''اَنْ یُوَحِّدُوا اللہ'' اور کلمہ شہادت ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ'' کا مطلب ایک ہی ہے۔ ☆ اہل کتاب میں وہ لوگ بھی ہیں جو توحید کی معرفت ہی نہیں رکھتے یا معرفت تو رکھتے مگر اس پر عمل نہیں کرتے۔ ☆ تعلیم کو

آہستہ آہستہ بتدریج رائج کیا جائے۔ ☆سب سے پہلے زیادہ اہم اور اس کے بعد دیگر مسائل بتائے جائیں۔ ☆مصارف زکوٰۃ کی تفصیل۔ ☆استاد کو چاہئے کہ طالب علم کے شبہات کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ ☆محصلِ زکوٰۃ کو چاہئے کہ وہ عمدہ مال پر ہاتھ نہ ڈالے۔ ☆مظلوم کی پکار اور اس کی آہ سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ ☆کیونکہ مظلوم کی پکار اور عرش الٰہی کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔ ☆توحید خالص کی درحقیقت وہ علامتیں ہیں جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں نمایاں ہیں، ان کو مشقتیں برداشت کرنا پڑیں، یہ بھوک اور پیاس سے دوچار ہوئے اور انہوں نے بیماریوں کو صبر واستقامت سے جھیلا۔ ☆رسولِ کریم ﷺ کا یہ ارشاد کہ ''میں کل ایسے شخص کو پرچم دوں گا''۔ یہ آپ ﷺ کے اعلام نبوت میں سے ایک علامت ہے۔ ☆رسولِ کریم ﷺ کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں اپنا لعاب دہن ڈالنا بھی ایک علامت نبوت ہے۔ ☆سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت۔ ☆صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت، کہ وہ ساری رات ایک سوچ میں رہے کہ کس کو پرچم ملتا ہے اور وہ فتح وکامرانی سے واپس آتا ہے۔ ☆تقدیر پر ایمان کہ جو شخص کسی چیز کے حصول کی کوشش نہیں کرتا، اس کو دے دینا۔ اور جو کوشش کرتا ہے اس سے روک لینا۔ ☆رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا ''اطمینان سے جاؤ'' یہ آدابِ جنگ میں سے ایک ہے۔ ☆جنگ شروع کرنے سے پہلے دشمن کے سامنے دعوتِ اسلام پیش کرنا۔ ☆شریعت اسلام کا یہ حکم ہے کہ جس قوم کو جنگ کے لئے للکارا جائے اسے سب سے پہلے اسلام پیش کرنا۔ ☆رسولِ کریم ﷺ کے اس فرمان ''ان کو ضروری اُمور بتائے جائیں'' سے پتہ چلا کہ دعوتِ اسلام حکمت ودانائی سے پیش کرنی چاہئے۔ ☆اسلام میں جو حقوق اللہ ہیں، ان کا معلوم کرنا۔ ☆۔اس شخص کے اجروثواب کی کثرت کا اندازہ، جس کے ہاتھ پر ایک شخص بھی مسلمان ہوجائے۔ ☆فتویٰ پر قسم اٹھانا۔

باب

تفسیر التوحید و شهادة اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ

اس باب میں مسئلہ توحید کی تفسیر اور کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی شہادت کے بارے میں تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّھِمُ الْوَسِیْلَۃَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ وَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَہٗ وَ یَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحْذُوْرًا

جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو اپنے رب کے حضور رسائی حاصل کرنے کا وسیلہ تلاش کر رہے ہیں کہ کون اس سے قریب تر ہو جائے اور وہ اس کی رحمت کے اُمیدوار اور اس کے عذاب سے خائف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تیرے رب کا عذاب ہے ہی ڈرنے کے لائق۔

یہ آیت کریمہ انبیاء و مرسلین اور ان کے متبع مومنوں کا راستہ اور طریق عمل متعین کرتی ہے کہ وہ اللہ ہی کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔ چنانچہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''اللہ کی اطاعت سے اور ایسے اعمال سے جو اس کے نزدیک پسندیدہ ہیں، اس کا قرب حاصل کرو''۔

ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جن صالحین اور اولیاء کو تم پکارتے ہو اور ان سے استغاثہ و استعانت کرتے ہو وہ تو خود اللہ کو وسیلہ بناتے ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ کہ صحیح بات سے اقرب (زیادہ قریب) کون ہے''۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں تین مقامات کا ذکر کیا گیا ہے:

۱۔ **الحُبّ**: اعمال صالحہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی طرف توسل حاصل کیا جائے۔ اس کا نام محبت ہے۔ ۲۔ **الرَّجاء** (یعنی اُمید)۔ ۳۔ **والخوف** اُمید اور خوف ہی حقیقت توحید اور اصل اسلام ہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاھِیْمُ لِاَبِیْہِ وَقَوْمِہٖٓ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّہٗ سَیَھْدِیْنِ وَجَعَلَھَا کَلِمَۃًۢ بَاقِیَۃً فِیْ عَقِبِہٖ لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ (الزخرف: ۲۶ تا ۲۸)۔

یاد کرو وہ وقت جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ ''تم جن کی بندگی کرتے ہو میرا اُن سے کوئی تعلق نہیں، میرا تعلق صرف اس سے ہے جس نے مجھے پیدا کیا، وہی میری رہنمائی کرے گا''۔ اور ابراہیمؑ یہی کلام اپنے پیچھے اپنی قوم میں چھوڑ گئے تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ

انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے۔ (التوبۃ: ۳۱)۔

صحیح حدیث میں مروی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عدی بن حاتم الطائی کے سامنے جب یہ آیت تلاوت فرمائی تو سیدنا عدی رضی اللہ عنہ نے کہا: (ترجمہ) ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم ان کی عبادت تو نہیں کیا کرتے تھے''۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بتاؤ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو اگر وہ حلال کہہ دیتے تو تم اس کو حلال سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء کو اگر حرام کہہ دیتے تو تم اس کو حرام سمجھتے تھے یا نہیں؟ سیدنا عدی رضی اللہ عنہ بولے: ہاں ہم ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہی تو ان کی ''عبادت'' ہے۔ (ترمذی، مسند احمد)۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہم سر اور مدِ مقابل بناتے ہیں اور ان سے اس طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ کے ساتھ محبت ہونی چاہئے۔ حالانکہ ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔ (البقرہ: ۱۶۵)۔

ایک مومن کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور اس سے محبت کرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔ اور اپنے اعمال کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خاص کر لیتا ہے اور اللہ کے سوا جس کی عبادت ہو رہی ہو اس کو ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔

پس جس شخص کے دل میں قبولِ حق کی معرفت ہوگی وہ ان آیات بینات سے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه کا مفہوم اور معنی اچھی طرح سمجھ لے گا اور توحید کے بارے میں اس کی بصیرت چمک اٹھے گی، جس کی دعوت تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے دی ہے۔

زیرِ بحث آیت کریمہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت میں کسی کو شریک ٹھہراتا ہے اور اس کو اللہ کے سوا ''نِد'' قرار دیتا ہے تو گویا اس نے اس کو بصورت محبت اللہ کی عبادت میں شریک بنایا۔ یاد رہے یہ بھی اللہ کے مثیل اور شریک بنانے کی ایک شکل ہے جس کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائے گا۔

پس جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے اور اسی کے لئے کسی سے محبت رکھتا ہے تو یہ شخص اپنی محبت میں مخلص ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے لیکن اس کے ساتھ دوسروں سے بھی محبت کرتا ہے تو وہ مُشرک ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جو شخص قضائے حاجات کے سلسلے میں غیر اللہ کی طرف راغب ہوا تو اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ وہ اس کی محبت کا گرویدہ ہو گیا اور اس باب میں اصل شے اس کی محبت ہی ہے''۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''توحیدِ محبوب یہ ہے کہ انسان اپنے کئی محبوب نہ بنائے یعنی اللہ تعالیٰ

کے ساتھ عبادت میں کسی اور کو ساتھی نہ قرار دے اور توحید حُب یہ ہے کہ انسان کے قلب میں محبت کی کوئی مقدار بھی باقی نہ رہے بلکہ سب کی سب اس اللہ کے لئے ہی وقف کر دے۔ درحقیقت محبت اسی کا نام ہے''۔

رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی سے محبت رکھنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ جب انسان کسی سے محبت رکھے گا تو اگر یہ محبت اللہ کی رضا کے لئے ہوگی تو حقیقت میں اس کا تعلق اللہ تعالیٰ ہی سے ہوگا، اور اگر کسی خاص دنیوی مقصد کے لئے ہوگی تو یہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں نقص پیدا کرے گی اور غیر اللہ کی محبت میں اضافہ کا باعث ہوگی۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کی صداقت کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ محبوب کے نزدیک جو اشیاء ناپسندیدہ ہیں یہ بھی ان کو ناپسند اور مکروہ سمجھے، اور یہ مکروہ شے کفر ہے۔ اس کو اس لئے مکروہ سمجھنا چاہئے کہ اس سے دوزخ میں داخل ہونے کا خطرہ ہے۔ محبت کا یہ معیار بہت ہی عظیم اور بلند ہے کیونکہ انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ اپنی جان اور اپنی زندگی سے زیادہ کسی چیز سے محبت نہیں رکھتا۔

انسان جب اپنی اور اپنی زندگی سے زیادہ اللہ سے محبت رکھے گا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر اس کے سامنے آگ پیش کی جائے اور کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ سے کفر کرو ورنہ تمہیں آگ میں پھینک دیا جائے گا، تو وہ لامحالہ آگ میں گر جانے کو پسند کرے گا لیکن کفر کا مرتکب نہ ہوگا۔ یہ ایسی عظیم الشان محبت ہے جو عشاق کے ہاں بھی مفقود ہے، وہ بھی اپنے محبوب سے اس درجہ محبت نہیں رکھتے بلکہ اس قسم کی محبت کی مثال اور نظیر کا ملنا ممکن ہی نہیں ہے۔

یہ ایسی باکمال محبت ہے کہ انسان کے اپنے نفس، اپنے مال اور اپنی اولاد پر بھی اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے احکام کو مقدم گردانا جاتا ہے۔ اس بے مثل اور بے نظیر محبت سے ظاہری اور باطنی طور پر اللہ کے لئے خشوع و خضوع اور تذلل، عظمت وجلال اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری انسان کے دل میں سرایت کر جاتی ہے۔ مخلوق کی محبت میں اس درجہ کی بلندی کا پایا جانا ممکن نہیں ہے۔ اگرچہ اس کا مرتبہ کتنا ہی اونچا کیوں نہ ہو۔

پس جو شخص اس محبت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک بنائے تو وہ اس سے ایسے شرک کا ارتکاب کرے گا جس کی مغفرت نہیں ہوسکتی۔

جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں وہ اللہ سے اس قدر محبت رکھتے ہیں کہ مشرکین اپنے شرکاء اور ''انداد'' سے اتنی محبت بالکل نہیں رکھتے کیونکہ مومنین کی اللہ سے محبت کا مثل اور نظیر مخلوقات کی محبت میں ملنا محال ہے۔ جیسا

کہ مومنین کا محبوب بے مثل ہے، اسی طرح مومنین کی محبت بھی بے مثل اور بے نظیر ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کے متعلق وہ مثالیں بیان کرے جو مخلوق کی محبت میں مخلوق کے لئے بیان کی جاتی ہیں مثلاً ہجر، وصل، محبت کا ٹوٹنا وغیرہ۔ ایسے الفاظ زبان سے نکالے تو، یاد رہے کہ ان امثالِ محبت کا اللہ تعالیٰ کی محبت سے کوئی تعلق نہیں ہے، وہ (اللہ) بہت ہی ارفع و اعلیٰ ہے۔ محبت الٰہی میں اس قسم کی امثال و تشبیہات بیان کرنے والا شخص خطا کار ہے، یہ اس کی بہت بڑی خطا اور بہت بڑی غلطی ہے، اتنی بڑی کہ یہ اللہ تعالیٰ سے بُعد اور اس کے غضب کا باعث بنتی ہے''۔

و فی الصحیح عن النّبیُ ﷺ اَنَّہٗ قَالَ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ کَفَرَ بِمَا یُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَرُمَ مَالُہٗ وَ دَمُہٗ وَ حِسَابُہٗ عَلَی اللّٰہِ عَزَّ وَ جَل

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ''لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ'' کا اقرار کرے اور اللہ تعالیٰ کے سوا جس چیز کی عبادت کی جاتی ہے اس سے کفر اور انکار کرے تو اس کی جان اور مال محفوظ ہو گیا، البتہ اس کا حساب و کتاب اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے گا۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جان اور مال کی حفاظت کو دو باتوں کے ساتھ معلق اور مشروط فرمایا ہے:

۱۔ پہلی بات یہ ہے کہ انسان ''لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ'' کی علم اور یقین کامل سے شہادت دے۔

۲۔ دوسری بات یہ کہ انسان ہر اس شخص اور ذات سے بیزاری اختیار کرے جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت ہو رہی ہو۔ اس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے صرف الفاظ تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس کے ساتھ قول اور عمل دونوں کا ہونا ضروری قرار دیا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ''جب تک (لوگ) شریعتِ اسلامیہ کے ظاہری احکام پر عمل نہ کریں اس وقت تک ان سے جنگ جاری رکھی جائے گی۔ اگرچہ وہ ''لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ'' کا اقرار کرتے ہوں اور بعض احکام شریعت پر عامل ہوں جیسا کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان لوگوں سے جنگ کا اعلان فرمایا تھا جنہوں نے صرف زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا۔ تمام فقہائے اُمت کا اس پر اتفاق ہے''۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ ''جو جماعت یا گروہ چند نمازیں ادا کرے اور چند چھوڑ دے یا روزے نہ رکھے یا حج نہ کرے یا جس شخص کا خون حرام ہے اس کی پرواہ نہ کرے یا لوگوں کا مال لوٹتا پھرے یا

شراب کا عادی ہو، یا جوا کھیلتا ہو یا محرم عورت سے نکاح کرے یا جہاد ترک کردے یا اس کے علاوہ واجباتِ دین میں سے امرِ واجب کو بلا عذر شرعی ترک کردے، جس کے ترک پر کفر لازم آتا ہو، ایسے گروہ سے جنگ کرنا ضروری ہے اگر چہ وہ گروہ مندرجہ بالا احکام کا زبانی طور پر اقرار بھی کرتا ہے''۔

فیہ مسائل

اس باب میں جو سب سے اہم مسئلہ بیان ہوا وہ توحید اور کلمہ ''لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللہ'' کی تفسیر ہے جسے واضح اور صاف الفاظ میں چند باتوں سے بیان کیا گیا ہے۔

☆ لیکن اگر انسان معبودانِ باطل کی تردید نہیں کرتا تو آیاتِ محکم اور احادیث رسول ﷺ کی رُو سے ایسے شخص کے جان و مال کی حفاظت مسلمانوں اور اہل اسلام کے ذمہ ہرگز نہ ہوگی۔ ☆ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت میں ان مشرکین کی تردید کی گئی ہے جو مصائب اور مشکلات میں صالحین کو پکارتے ہیں، اور یہی شرکِ اکبر ہے۔ تیسری بات جو اس باب میں خاص طور پر بیان کی گئی ہے سورہ توبہ کی اس آیت کی تفسیر ہے جس میں اہل کتاب کے کردار کا نقشہ کھینچا گیا ہے، اہل کتاب کا یہ عمل بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے علماء اپنے پیروں کو اپنا رب بنالیا تھا۔ جس کا ان کو اللہ کی طرف سے کوئی حکم نہ تھا۔ بلکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں۔ سورۂ توبہ کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ اہل کتاب کے اپنے علماء وعباد کو رب بنانے کے معنی عمل معصیت میں ان علماء وزہاد کی اطاعت کرنا ہے۔ ☆ چوتھی بات جو اس باب میں ذکر ہوئی وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی وہ برات ہے جس کا انہوں نے کفار کے سامنے اظہار فرمایا تھا کہ ''میں تمہارے باطل معبودوں سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں اور اس ذات کی اتباع کا دم بھرتا ہوں جس نے مجھے پیدا فرمایا ہے''۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ان باطل معبودوں سے اپنے رب تعالیٰ کو بہت ہی احسن انداز سے مستثنیٰ فرمایا۔ ☆ اس باب میں اہم ترین وہ مسئلہ ہے جو سورہ بقرہ کی آیت میں بیان ہوا ہے جس میں صراحت کی گئی ہے کہ ''اہل کفر جہنم سے ہرگز نہ نکل پائیں گے''، اس آیت کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ کافر اور مشرک اپنے ''انداد'' سے اسی طرح محبت رکھتے ہیں جس طرح کہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنی چاہئے تھی اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کافر اور مشرک بھی اللہ تعالیٰ سے محبت کے دعوے دار تھے، لیکن اس کے باوجود ان کو حلقہ اسلام میں شمار نہیں کیا گیا کیونکہ اس محبت کو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص رہنا چاہئے، غور فرمائیے کہ اس شخص کا کیا مقام ہے جو اپنے انداد سے اللہ سے زیادہ محبت رکھتا

ہو؟ یا اس شخص کی حالت کیا ہوگی جس کی اللہ تعالیٰ سے تو محبت نہیں ہے مگر وہ اپنے باطل معبودوں سے محبت رکھتا ہے؟ ☆ رسول اللہ ﷺ کا فرمان کہ ''جو شخص ''لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللہ'' کا اقرار کرے اور معبودانِ باطل کا انکار کرے تو اسلام اس کی جان اور مال کا محافظ ہے اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے گا''۔

رحمت عالم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ''لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللہ'' کے معنی و مفہوم کو ٹھیک ٹھیک واضح کرتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے صرف زبانی اقرار کے ساتھ معنی کا سمجھ لینا اور اس کے ساتھ ساتھ صرف اس کی عبادت بایں طور کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے ''لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللہ'' اس وقت تک فائدہ مند ثابت نہ ہوگا جب تک کہ باطل معبودوں کے انکار کے بارے میں ذرا بھی شک کیا یا توقف سے کام لیا تو اس کے جان و مال کی حفاظت کا اسلام ذمہ دار نہ ہوگا۔

یہ مسئلہ کتنا عظیم اور اہم ہے؟ کتنا واضح اور غیر مبہم ہے؟ اور مخالفین کے خلاف کس درجہ برہانِ قاطع ہے؟

باب

من الشرک لبس الحلقة و الخیط

اس باب مین یہ بیان کیا گیا ہے کہ رفع بلا اور دفع مصائب کے لئے چھلا پہننا، گلے میں دھاگے ڈالنا شرک ہی کی ایک قسم ہے۔

قُلْ اَفَرَاَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللہِ اِنْ اَرَادَنِیَ اللہُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖ اَوْ اَرَادَنِیْ بِرَحْمَةٍ ؕ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ قُلْ حَسْبِیَ اللہُ عَلَیْهِ یَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ۔

ان سے کہو، جب حقیقت یہ ہے تو تمہارا کیا خیال ہے کہ اللہ مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو کیا تمہاری یہ دیویاں جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو، مجھے اس کے پہنچائے ہوئے نقصان سے بچالیں گی؟ یا اللہ مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا یہ اس کی رحمت کو روک سکیں گی؟ بس ان سے کہہ دو کہ میرے لئے اللہ ہی کافی ہے۔ بھروسہ کرنے والے اُسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ (الزمر: ۳۸)

اس آیت کریمہ کے معنی کے متعلق مقاتل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ نے جب ان مشرکین

سے سوال کیا تو سب خاموش ہوگئے، اس لئے کہ مشرکین یہ عقیدہ نہ رکھتے تھے کہ ہمارے یہ معبود کسی نفع یا نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں بلکہ اپنے معبودوں کے بارے میں وہ صرف یہ تصور رکھتے تھے کہ یہ ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے مابین وسیلہ اور شفارشی ہیں۔ وہ ہرگز یہ نہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے لئے مشکل کشا ہیں یا ہماری بے بسی اور بے کسی کی حالت کو بدل سکتے ہیں۔ وہ یہ جانتے تھے کہ یہ کام صرف اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے جیسا کہ اس کا فرمان ہے کہ: (ترجمہ) پھر جب کوئی سخت وقت تم پر آتا ہے تو تم لوگ خود اپنی فریادیں لے کر اسی کی طرف دوڑتے ہو۔ مگر جب اللہ اس وقت کو ٹال دیتا ہے تو یکا یک تم میں سے ایک گروہ اپنے رب کیساتھ دوسروں کو (اس مہربانی کے شکریہ میں) شریک کرنے لگتا ہے۔ (النحل۔۵۳:۵۴)

عن عمران بن حصين رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ رَاٰی رَجُلًا فِیْ یَدِہٖ حَلْقَةٌ مِّنْ صُفْرٍ فَقَالَ ﷺ مَا ھٰذِہٖ قَالَ مِنَ الْوَاھِنَةِ فَقَالَ اَنْزِعْھَا فَاِنَّھَا لَا تَزِیْدُکَ اِلَّا وَھْنًا فَاِنَّکَ لَوْمُتَّ وَ ھِیَ عَلَیْکَ مَآ اَفْلَحتَ اَبَدًا رَوَاہُ اَحْمَدُ بِسَنَدٍ لَا بَاْسَ بِہٖ

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں پیتل کا چھلہ دیکھا۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ یہ واہنہ (کمزوری) کی وجہ سے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے اُتار دے، یہ تجھے کمزوری کو سوا کچھ فائدہ نہ دے گا''۔ اگر اس چھلہ کو پہنے ہوئے تجھے موت آ گئی تو تو کبھی نجات نہ پائے گا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اس روایت کو ایسی سند سے بیان کیا ہے جس میں کوئی نقص نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ اس لیے فرمایا کہ اس قسم کے چھلے وغیرہ کو پہننا شرک ہے، اور شرکیہ تعویذ گنڈوں سے فلاح و کامیابی اور سعادت حاصل نہیں ہوسکتی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ شرک اصغر بھی اکبر الکبائر میں سے ہے اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ لاعلمی کی بناء پر بھی کسی شخص کو شرک کے معاملے میں معزور نہیں سمجھا جائے گا۔ جو شخص اس قسم کے افعال کا مرتکب ہوتا ہے اس پر بہت ہی سختی سے نکیر کی گئی ہے۔

و له عن عقبة بن عامر مرفوعا مَنْ تَعَلَّقَ تَمِیْمَةً فَلَآ اَتَمَّ اللّٰہُ لَہٗ وَ مَنْ تَعَلَّقَ وَدْعَةً فَلَا وَدَعَ اللّٰہُ لَہٗ وفی روایة مَنْ تَعَلَّقَ تَمِیْمَةً فَقَدْ اَشْرَکَ

مسند احمد میں ہی سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے گلے میں تعویذ لٹکاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی خواہش کو پورا نہ کرے۔ اور جو شخص سیپی وغیرہ لٹکائے اللہ اسے آرام

نہ دے۔ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جس شخص نے اپنے گلے میں تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔

تمیمہ اس چمڑے کے پرزے کو کہتے ہیں جس پر کوئی چیز لکھی گئی ہو۔اہل عرب اس نیت سے لٹکاتے تھے کہ اس سے آفات سے بچاؤ ہو سکے۔ یہ سراسر جہالت اور ضلالت کی بات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی تکلیف دُور کرسکتا ہے اور نہ روک سکتا ہے۔تمیمہ کو عرب لوگ اپنے بچوں کے گلے میں ڈالتے تھے تاکہ وہ نظر بد سے محفوظ رہیں لیکن اسلام نے اس کو باطل قرار دیا۔

ولا بن ابی حاتم عن حذیفة رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ رَاٰی رَجُلًا فِیْ یَدِهٖ خَیْطٌ مِنَ الْحُمّٰی فَقَطَعَهٗ

سیدنا ابن بی حاتم رضی اللہ عنہ نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ انہوں نے ایک شخص کے ہاتھ میں بخار کی وجہ سے دھاگہ دم کیا ہوا دیکھا تو سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اسے کاٹ دیا۔

سیدنا وکیع رضی اللہ عنہ نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مندرجہ ذیل حدیث روایت کی ہے: سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک مریض کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے۔اس کے بازو کو چھوا تو معلوم ہوا کہ اس پر کوئی دھاگہ بندھا ہوا ہے۔پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ مریض بولا کسی نے مجھے یہ دھاگا دم کرکے دیا ہے۔سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اُسے کاٹ دیا اور فرمایا کہ اگر تو اسے پہنے ہوئے فوت ہو جاتا تو میں تیری نمازِ جنازہ نہ پڑھتا۔اور پھر قرآن کریم کی یہ تلاوت فرمائی کہ: (ترجمہ) ''ان میں سے اکثر اللہ کو مانتے تو ہیں مگر اس طرح کہ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں''۔(یوسف:۱۰۶)۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اس قسم کے تعویذ گنڈے قطعاً ممنوع ہیں اگرچہ ان کا پہننے والا یہ خیال کرتا ہو کہ یہ صرف اسباب ہیں، حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی دافع البلیات ہے اور وہی مشکلات کو دور کرنے والا ہے۔اسباب بھی وہی اختیار کرنے چاہئیں جن کا شریعت اسلامیہ میں کوئی وجود ہو اور تعویذ دھاگے اور صدف وغیرہ تو جاہلیت کی رسمیں ہیں اور ان کا پہننا شرک ہے اگرچہ انسان ان کو نافع اور ضارنہ بھی خیال کرے۔اس قسم کے اعمال کی برائی سے لوگوں کو آگاہ کرنا چاہئے اور اگر ہو سکے تو ہاتھ سے روک دے ورنہ زبان سے تو اس کے خلاف جہاد ضروری ہے۔اس قسم کے شرکیہ تعویذات کو بزور بازو اتار پھینکنا چاہئے اگرچہ پہننے والا اس کی اجازت نہ دے۔

فیہ مسائل

☆تعویذ دھاگہ اور لوہے وغیرہ کے چھلے پہننے پر سخت وعید۔ ☆اگر صحابی بھی اس قسم کے تعویذ گنڈے پہنے ہوئے فوت ہوجائے تو اس کی نجات مشکل ہے۔اس سے پتہ چلا کہ شرکِ اصغرا کبرالکبائر ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہ وہ آثار ہیں جن سے ان کے علمی کمال اور توحید کے بارے میں ان کی تعلیم کا پتہ چلتا ہے۔وہ توحید کے منافی اعمال وافعال سے قطعی طور پر بیزار رہتے تھے۔ ☆ اس کا جہالت کی بنا پر پہننا بھی قابل عذر نہیں۔ ☆ یہ تعویذ گنڈے بجائے نفع کے نقصان دہ ہیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''یہ تجھے کمزوری کے سوا کچھ فائدہ نہ دے گا''۔ ☆جو شخص ان کو پہنے اس کو سختی سے روکنا۔ ☆اس بات کی تصریح کی گئی ہے کہ جو شخص ان کو پہنے گا اس کو انہیں کے سپرد کر دیا جائے گا۔ ☆ بخار کی وجہ سے بھی تعویذ پہننا شرک ہے۔ ☆اس کی بھی وضاحت ہے کہ جو شخص تعویذ پہنتا ہے وہ شرک کرتا ہے۔ ☆ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کا آیت قرآن کو تلاوت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان آیات سے، جو شرک اکبر کے بارے میں نازل ہوئی تھیں، شرک اصغر بھی مراد لیتے تھے جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سورہ بقرہ کی آیت سے استدلال کیا ہے۔ ☆ نظر بد سے بچاؤ کی خاطر صدف وغیرہ پہننا بھی شرک ہے۔ ☆ جو شخص تعویذ اور صدف وغیرہ باندھتا ہے اس کے لیے بددعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ اس کا مطلب پورا نہ کرے

باب

ماجاء فی الرقٰی والتمائم

اس باب میں دم تعویذ اور گنڈوں وغیرہ کے بارے میں شرعی احکام بیان کئے گئے ہیں۔

فی الصحیح عن ابی بشیر الانصاری رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ كَا نَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ بَعْضِ اَسْفَارِهٖ فَاَرْسَلَ رَسُوْ لًا اَنْ لَّا یَبْقَیَنَّ فِیْ رَقَبَةِ بَعِیْرٍ قِلَادَةٌ مِّنْ وَتَرٍ اَوْ قِلَادَةٌ اِلَّا قُطِعَتْ

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں سیدنا ابوبشیر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک قاصد کو بھیجا کہ کسی اونٹ کی گردن میں کوئی ایسی رسی باقی نہ رہنے دی جائے (جو نظر بد وغیرہ کے سلسلے میں لوگ باندھ دیا کرتے تھے) اگر ہے تو اس کو کاٹ دیا جائے۔

زمانہ جہالت میں رسم تھی کہ جب یہ تانت پرانی ہو جاتی تو نئی تبدیل کر لیتے اور پرانی تانت کو چوپایوں کے گلے میں ڈال دیتے تھے۔ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اس سے جانور نظر بد سے محفوظ رہتا ہے۔

و عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ اِنَّ الرُّقٰى وَ التَّمَآئِمَ وَ التِّوَلَةَ شِرْكٌ

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جھاڑ پھونک، تعویذ اور حُبّ کے اعمال سب شرک ہیں۔

ابوداؤد میں یہ واقعہ ان الفاظ میں منقول ہے کہ: (ترجمہ) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک دفعہ میرے شوہر عبداللہ رضی اللہ عنہ نے میری گردن میں ایک دھاگا دیکھا اور پوچھنے لگے کہ یہ دھاگہ کیسا ہے؟ میں نے عرض کی کہ یہ دھاگہ مجھ کو دم کر کے دیا گیا ہے۔ یہ سنتے ہی انہوں نے یہ دھاگہ میرے گلے سے کاٹ پھینکا اور یہ فرمایا کہ تم عبداللہ رضی اللہ عنہ کا خاندان ہو، تم شرک سے بے نیاز ہو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جھاڑ پھونک، تعویذ اور اعمالِ حُبّ شرک ہے۔ میں نے عرض کی کہ میری آنکھ میں چبھن محسوس ہوتی تھی چنانچہ میں فلاں یہودی کے ہاں دم کرانے کے لیے جایا کرتی تھی، اس کے دم کرنے سے مجھے سکون سا ہو جاتا تھا۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بولے کہ یہ شیطانی عمل ہے۔ وہی اپنے ہاتھ سے چبھن پیدا کرتا تھا اور جب دم کر دیا جاتا تو ہاتھ روک لیتا۔ لہٰذا تمہارے لیے اس طرح کہنا کافی تھا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ: (ترجمہ) ''اے کائنات کے پروردگار! تکلیف کو دور فرما دے اور تیری شفا ہی دراصل شفا ہے، شفا عطا فرما کیوں کہ تو ہی شفا بخشنے والا ہے ایسی شفا عطا کر کہ جس کے بعد کسی قسم کی تکلیف باقی نہ رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دَم کیا ہے اور آپ کو بھی دَم کیا گیا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ دَم کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ اگر دَم قرآنی آیات پر مشتمل ہو تو جائز ہے۔ البتہ ممانعت اس دم کی ہے جو عربی زبان میں نہ ہو کیوں کہ بسا اوقات غیر عربی الفاظ کفریہ ہوتے ہیں یا ایسے الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے جس میں شرکیہ کلمات پائے جاتے ہیں۔

علمائے امت کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ دم اور رُقیہ جس میں مندرجہ ذیل تین شرائط پائی جائیں، جائز ہے:

۱۔ وہ دَم جو کلام اللہ، اسماء اللہ یا اس کی صفات پر مبنی ہو۔

۲۔ وہ دم جو عربی زبان میں ہو، اس کے معنی بھی واضح اور مشہور ہوں اور مطابق شریعت اسلامی ہو۔

۳۔ یہ کہ دم کرنے والا اور کروانے والا یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ دم فی نفسہ کوئی با اثر چیز نہیں ہے بلکہ سارا معاملہ اللہ کی تقدیر سے وابستہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اثر ہوگا۔

وَالرُّقٰی هِیَ الَّتِیْ تُسَمَّی الْعَزَآئِمَ وَ خَصَّ مِنْهُ الدَّلِیْلُ مَا خَلَ مِنَ الشِرکَ رَخَصَ فِیْهِ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مِنَ العَیْنِ وَ الحُمَةِ وَ التِّوَلَةُ شَیٌ یَصْنَعُوْنَهٗ یَزْعُمُوْنَ اَنَهٗ یُحَبِبُ المَرْاَةُ اِلٰی زَوْجِهَا و الرَّجُلَ اِلٰی اِمْرَاَتِهٖ

رُقٰی اور عزائم دونوں ہم معنٰی ہیں۔ شرکیہ تعویذات کے علاوہ نظرِ بد اور زہریلے کیڑے کے کاٹے کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے رخصت دی ہے۔

تَوَلَہٗ وہ عمل ہے جسے اس خیال سے کیا کرتے تھے کہ اس سے مرد اور عورت میں باہم اُلفت اور محبت پیدا ہوتی ہے۔

''التولہ جادو کی ایک قسم ہے جس کے ذریعے عورتیں اپنے شوہروں کی نظر میں محبوب بننے کی سعی کرتی ہیں''

وعن عبداللہ بن حکیم مرفوعًا مَنْ تَعَلَّقَ شَیْئًا وُکِلَ اِلَیْهِ (رواہ الترمذی واحمد)۔

سیدنا عبداللہ بن حکیم رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا روایت ہے، وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''جو شخص اپنے گلے یا بازو میں کوئی تعویذ یا دھاگا لٹکاتا ہے تو اس کی ذمہ داری اسی تعویذ دھاگے کے سپرد کر دی جاتی ہے''۔

حدیث میں جس ''تعلق'' کا ذکر ہے وہ دل سے بھی ہوتا ہے، عمل اور فعل سے بھی ہوتا ہے اور کبھی دل اور عمل دونوں سے ہوتا ہے، تینوں صُورتوں میں کوئی صورت بھی ہو، جس شے سے اس کا تعلق وابستہ ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کی ذمہ داریوں کو اسی کے سپرد کر دیتا ہے۔ سو جس شخص کے دل کا تعلق صرف اللہ کے ساتھ اُستوار ہو گیا اور اس نے اپنی تمام حاجات کی ذمہ داری اللہ پر ڈال دی، اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع ہوا اور اپنے تمام معاملات اللہ ہی کو سونپ دیئے تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام ضروریات کو خود پورا کرنے کا ذمہ لیتا ہے اور اس کی جملہ حاجات کا آپ کفیل بن جاتا ہے اور کامیابی کے بعید ترین امکانات کو قریب تر کر دیتا ہے اور ہر مشکل کو آسان بنا دیتا ہے۔

جس شخص نے اپنا تعلق غیر اللہ سے جوڑ لیا، اپنی رائے اور عقل پر بھروسہ کر لیا اور مختلف تعویذ دھاگے اور جادو ٹونے سے وابستگی اختیار کر لی، ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ، انہی اشیاء کے سپرد کر دیتا ہے، اسے ذلیل و رسوا بنا دیتا

ہےاوراپنی رحمت سے دور کردیتا ہے۔ یہ حقیقت نصوص وتجربات سے ثابت شدہ ہے۔

وروی احمدعن رویفع رضی اللہ عنہ قال قالَ لِیْ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَا رُوَیْفِعُ لَعَلَّ الْحَیٰوۃَ سَتَطُوْلُ بِکَ فَاَخْبِرِ النَّاسَ اَنَّ مَنْ عَقَدَ لِحْیَتَهٗ اَوْ تَقَلَّدَ وَتَرًا اِوِسْتَنْجٰی بِرَجِیْعِ دَآبَةٍ اَوْ عَظْمٍ فَاِنَّ مُحَمَّدًا بَرِیءٌ مِنْهُ

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند میں سیدنا رویفع رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں، سیدنا رویفع رضی اللہ عنہ خود کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ''اے رویفع رضی اللہ عنہ! ممکن ہے تم زیادہ عرصہ تک جیو، لہٰذا لوگوں کو بتادینا کہ جو شخص اپنی داڑھی کے بالوں کو بٹ کر یا سمیٹ کر باندھ لے یا تانت وغیرہ کا ہار گلے میں ڈال لے، یا کسی چارپائے کے گوبر یا ہڈی سے استنجا کرے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بیزار ہیں۔

وعن سعید بن جبیر قال مَنْ قَطَعَ تَمِیْمَةً مِّنْ اِنْسَانٍ کَانَ کَعَدْلِ رَقَبَةٍ وله عن ابراهیم قال کَانُوْا یَکْرَهُوْنَ التَّمَآئِمَ کُلَّهَا مِنَ الْقُرْاٰنِ وَ غَیْرِ الْقُرْاٰنِ (ابن ابی شیبہ)۔

سیدنا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو شخص کسی کے گلے سے تعویذ وغیرہ کاٹ دے تو اس کو ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا''۔ ابراہیم بن نخعی کوفی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بہت سے علماء اور فقہاء تعویذات کو، وہ قرآنِ کریم کی آیات پر مشتمل ہوں یا غیر قرآن پر، مکروہ قرار دیتے ہیں۔

فیہ مسائل

☆ رقیہ اور تمیمہ کی تشریح۔ ☆ تِوَلَہ کے مفہوم کی وضاحت۔ ☆ رقیہ، تمیمہ اور تولہ بلا استثناء تینوں شرک ہیں۔ ☆ وہ رقیہ جو صحیح الفاظ پر مشتمل ہو اور نظر بد اور بخار کی وجہ سے کیا جائے وہ شرک نہ ہوگا۔ ☆ نظر بد سے بچاؤ کی خاطر چوپایوں کی گردنوں میں تانت ڈالنا شرک ہے۔ ☆ جو شخص تانت وغیرہ کا ہار گلے میں ڈالے اس کیلئے سخت ترین وعید۔ ☆ جو کسی دوسرے شخص کے گلے سے تعویذ اتار پھینکے، اس کیلئے اجرِ جزیل کا وعدہ۔

باب

من تبرک و شجر حجر و نحو هما

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص، درخت، پتھر یا قبر وغیرہ سے برکت، حاصل کرتا ہے اس کے متعلق شریعت کا فیصلہ کیا ہے۔

قول اللہ تعالیٰ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰى وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى (النجم۔۱۹)

اب ذرا بتاؤ تم نے کبھی اس لات اور اس عزّٰی اور تیسری ایک اور دیوی منات کی حقیقت پر کچھ غور بھی کیا؟

''اللات ایک سفید پتھر تھا جس پر خوب نقش و نگار کیا گیا تھا۔ اس کو ایک مکان میں سجا بنا کر رکھا گیا اور اس مکان کے اردگرد بہت بڑی اور مضبوط چار دیواری بنائی گئی تھی جس کو خوبصورت پردوں سے سجایا گیا تھا اور اس کے باقاعدہ پجاری اور پروہت بھی تھے۔ یہ تھا اہل طائف یعنی بنو ثقیف کا بت۔ اس کی وجہ سے بنو ثقیف قریش کے علاوہ تمام عرب قبائل پر اپنے آپ کو قابل فخر گردانتے تھے''۔ بروایت ابن ہشام، رسول اللہ ﷺ نے سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو اس کے گرانے کے لئے بھیجا تو سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ گئے، پہلے تو انہوں نے اس کو مسمار کیا اور پھر آگ لگا کر جلا دیا۔

عزیٰ کے متعلق ابوسفیان نے جنگ احد کے موقع پر کہا تھا کہ

لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ (ہمارا معبود عزی ہے اور تمہارا معبود عزی نہیں ہے)۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس کو جواب دو کہ:

اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَ لَا مَوْلٰى لَكُمْ (اللہ ہمارا دستگیر اور مولا ہے تمہارا نہیں)۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن مردویہ، ابی الطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: (ترجمہ) ''رسولِ اکرم ﷺ نے جب مکۃ المکرّمہ کو فتح کر لیا تو سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو وادی نخلہ کی طرف بھیجا کہ جا کر عزّٰی کو کاٹ دو۔ چنانچہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ جب وادی نخلہ میں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں تین درخت تھے اور تینوں کو کاٹ دیا اور مکان کو بالکل مسمار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کو ساری بات سے مطلع کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دوبارہ جاؤ، تم کوئی کام نہیں کر کے آئے، چنانچہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ دوبارہ نخلہ پہنچے تو عزّٰی کے پجاریوں نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو دیکھتے ہی پہاڑ کی طرف پناہ لی اور ''یا عزّٰی! یا عزّٰی!'' کے نعرے بلند کرنے لگے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اس مقام کے قریب گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عورت بالکل برہنہ

حالت میں ہے، اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں اور مٹی سر پر ڈال رہی ہے، سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کر دیا اور واپس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ سارا قصہ بیان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہی عورت عُزّٰی تھی''۔

یہی صورتِ حال یا اس سے بڑھ کر آج کل اولیاء کی قبروں اور مزاروں پر دکھائی دیتی ہے۔

مناۃ: یہ بت مکۃ المکرّمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع تھا۔''فتح مکہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس کے گرانے کے لئے بھیجا چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کو منہدم کر دیا''۔

آیات کی باب سے مطابقت لات ومناۃ کے پجاری ان کی عزت وتوقیر کرتے تھے اور یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ان کے پاس آ کر جانوروں کو ذبح کرنا باعث برکت ہے۔ ان کے پاس آ کر دعائیں مانگتے اور ان سے امداد چاہتے تھے۔ اپنی حوائج کی تکمیل کے لئے ان پر اعتماد اور بھروسہ کرتے تھے، ان سے سفارش اور برکت کی اُمیدیں رکھتے تھے۔ یہ تھا مشرکین عرب کا عقیدہ۔

پس صالحین کی قبروں پر جا کر تبرک حاصل کرنا جس طرح کہ لات کے پجاری کرتے تھے یا درختوں اور پتھروں سے برکت حاصل کرنا جیسے عُزّٰی اور مناۃ کے پرستاروں کا شیوہ تھا، یکساں نوعیت کا شرک ہے۔ لہٰذا جو شخص اس دور میں صلحاء کی قبروں سے اسی طرح کی توقعات رکھتا ہے یا کسی درخت اور پتھر کی توقیر کرتا ہے اور اس سے مدد کا طالب ہوتا ہے اس نے بھی گویا مشرکین عرب جیسا فعل کیا۔ یہی نہیں بلکہ اس زمانے کے مسلمان اس سلسلے میں تو مشرکین عرب سے کہیں آگے بڑھ گئے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ وَاقِدِ اللَّیْثِی رضی اللہ عنہ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِلٰی حُنَیْنٍ وَنَحْنُ حُدَثَاءُ عَهْدٍ بِكُفْرٍ وَ لِلْمُشْرِكِیْنَ سِدْرَةٌ یَّعْكُفُوْنَ عِنْدَهَا وَ یَنُوْطُوْنَ بِهَا اَسْلِحَتَهُمْ یُقَالُ لَهَا ذَاتُ اَنْوَاطٍ فَمَرَرْنَا بِسِدْرَةٍ فَقُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِجْعَلْ لَنَا ذَاتَ اَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتَ اَنْوَاطٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَللّٰهُ اَكْبَرُ اِنَّهَا السَّنَنُ قُلْتُمْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ كَمَا قَالَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ لِمُوْسٰی اِجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ

سیدنا ابو واقد قریشی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جنگ حنین کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقام حنین کی طرف جا رہے تھے۔ اور ہمارا زمانہ کفر ابھی نیا نیا گزرا تھا۔ راستے میں ایک جگہ بیری کا درخت آیا جس کو ذات انواط کہا جاتا تھا۔ مشرکین اس درخت کے پاس بیٹھنا باعث برکت خیال کرتے تھے اور اپنے ہتھیار بھی برکت

کے لیے اس درخت پر لٹکایا کرتے تھے۔ سیدنا ابو واقد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں چلتے چلتے ہم ایک بیری کے درخت کے پاس سے گزرے تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ جیسے ان مشرکین کے لیے ذاتِ انواط ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے بھی ایک ذاتِ انواط مقرر فرما دیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَللّٰہُ اَکْبَر کہا اور فرمایا: اللہ کی قسم! تم بالکل وہی بات کہہ رہے ہو جو بنی اسرائیل نے جناب موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ ''اے موسیٰ علیہ السلام! ہمارے لیے بھی کوئی ایسا معبود بنا دے جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں''۔ موسیٰؑ نے کہا ''تم لوگ بڑی نادانی کی باتیں کرتے ہو''۔ (پھر فرمایا) تم بھی اگلی اُمتوں کے طریقوں پر چلو گے۔ (رواہ الترمذی وصححہ)۔

مشرکین اُس درخت کی عظمت و جلالت کے پیشِ نظر اسکے پاس بیٹھنا باعث برکت سمجھتے تھے۔ یعنی برکت حاصل کرنے کی نیّت سے اس درخت پر اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ اس لیے کہا کہ ان کے ذہن میں یہ بات پیدا ہوئی کہ یہ بھی عند اللہ پسندیدہ عمل ہے لہٰذا ہم بھی تبرّک حاصل کیا کریں۔ اگر ان کو یہ علم ہوتا کہ یہ شرک ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی کیسے جرات کر سکتے تھے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اِس بات کو بنی اِسرائیل کے قول سے مشابہ قرار دیا ہے کیونکہ دونوں نے الٰہ طلب کیا تھا جس کی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کریں۔ دونوں کے مطالبہ کے الفاظ اگرچہ مختلف ہیں تاہم معنیٰ ایک ہی ہیں کیونکہ الفاظ کی تبدیلی سے حقیقت تو تبدیل نہیں ہو جاتی۔

زیرِ بحث حدیث میں شرک سے بچنے کی تعلیم دی گئی ہے کیونکہ بسا اوقات اِنسان کسی کام کو بہتر سمجھ کر سرانجام دیتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل ہوگا، لیکن درحقیقت وہ عمل انسان کو، اللہ تعالیٰ اور اُس کی رحمت سے دور اور اس کی ناراضگی اور غضب کو قریب کر رہا ہوتا ہے۔ اس حقیقت کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس نے علماء سو، عُبّادِ قُبور، اس میں غلّو کرنے والوں اور ان کی عبادت کرنے والوں کو غور سے دیکھا ہو، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ بہت بہتر اعمال سرانجام دے رہے ہیں حالانکہ وہ ایسے گناہ میں مبتلا ہیں جس کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا۔ اس بحث سے یہ معلوم ہوا کہ:

۱۔ جو شخص اولیائے کرام کی قبروں پر اعتکاف کرتا یا کسی شجر و حجر کے پاس جا کر اور وہاں جانور ذبح کرنے کو تبرک خیال کرتا ہے وہ شرک میں مبتلا ہے۔

۲۔ دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ احکامِ شرعیہ میں معانی کا اعتبار ہے، الفاظ کا نہیں۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے مطالبے کو بنی اِسرائیل کے مطالبہ کے ساتھ مشابہ اور مماثل قرار دیا اور آپؐ نے اس

بات کی کوئی پروا نہیں کی کہ اس کا نام انھوں نے ذاتِ انواط رکھا ہے کیونکہ شرک کا کوئی بھی نام رکھ لیا جائے وہ شرک ہی رہے گا، چاہے مردوں کو پکارنے، اُن کے نام کی نذر و نیاز دینے اور اس کے نام کا جانور ذبح کرنے کو کوئی محبت اور تعظیم کا نام دے لے، یہ بہر حال شرک ہی کہلائے گا۔ اِسی پر دوسرے اعمال کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی کا مطلب واضح ہے کہ میری اُمت کے بعض افراد بھی یہود و نصاریٰ جیسے اعمال و افعال کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بالکل صحیح ثابت ہو رہا ہے اور اُمت کی کثیر تعداد اس میں مبتلا ہے۔

فیہ مسائل

☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو سوال کیا تھا اس کی صحیح توجیہ و معرفت۔ ☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس چیز کے بارے میں سوال کیا تھا اس کو عملی جامہ نہیں پہنایا بلکہ معاملہ صرف سوال کی حد تک ہی رہا۔ ☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا تھا اس کے سوا کچھ نہ تھا۔ کیونکہ ان کے ذہنوں میں یہ بات تھی کہ اللہ تعالیٰ اسے پسند کرتا ہے۔ ☆ جب بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر شرک کی یہ نوعیت مخفی رہی تو ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے علم کی کیا وقعت باقی رہ جاتی ہے۔ ☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اعمال صالحہ کے بدلے مغفرت کا جو وعدہ دیا گیا ہے وہ دوسرے لوگوں کو میسر نہیں ہے۔ ☆ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس معاملے میں معذور نہیں سمجھا بلکہ ان کی تردید کی اور فرمایا کہ ''اللہ اکبر'' یہی تو وہ راستے ہیں، تم بھی اپنے پہلوں کے راستے کی پیروی کرو گے۔ پس ان تین اُمور سے معاملہ کی سختی اور اہمیت واضح فرمائی۔ ☆ سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فرمائش کو بنی اسرائیل کی فرمائش جیسی قرار دیا جبکہ انہوں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ''ہمارے لئے بھی کوئی معبود مقرر کر دیجئے''۔ ☆ اس قسم کے تبرک کا انکار بھی لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کے معنی میں داخل ہے جو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذہنوں سے بھی اپنی باریکی کی وجہ سے پوشیدہ رہا۔ ☆ رسول اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ ہرگز یہ نہ تھی کہ آپ ﷺ خواہ مخواہ قسم کھائیں لیکن بایں ہمہ آپ ﷺ کسی خاص مصلحت و ضرورت کے موقع پر اور اہم کام میں قسم کھا لیا کرتے تھے جیسا کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال کے جواب میں قسم کھائی ہے۔ ☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال پر چونکہ ان کو مرتد نہیں سمجھا گیا جس سے پتا چلا کہ شرک کی دو قسمیں ہیں: شرکِ اکبر۔ اور شرکِ اصغر۔

☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ کہنا کہ ''ہمارا زمانہ کفر ابھی نیا نیا گزرا تھا'' سے پتا چلا کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو سابقین اولین میں شمار ہوتے ہیں ان کو مسئلے کی نوعیت کا علم تھا۔ ☆ بوقت تعجب اللہ اکبر کہنا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ اکبر کہنے سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو اس کو مکروہ خیال کرتے ہیں۔ ☆ شرک و بدعت کے ذرائع بند کرنا۔ ☆ اہل جاہلیت کے رسم و رواج اپنانے کی ممانعت۔ ☆ دورانِ تعلیم اُستاد کا شاگرد پر ناراض ہونے کا ثبوت۔ ☆ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے کہ ''اَنَّهَا السُنَنُ'' ایک عمومی قاعدہ بیان کرنا مقصود ہے۔ ☆ علامات نبوت میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حرف بحرف اسی طرح ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جن اعمال وافعال پر یہود و نصاریٰ کی مذمت فرمائی ہے وہ حقیقت میں ہمارے لئے ایک تنبیہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں ہم بھی اس میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ ☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ مانا ہوا اصول تھا کہ عبادت کی اساس اور بنیاد حکم اور امر ہے۔ ☆ اہل کتاب کا مذہب اور طریقہ بھی اسی طرح نا قابل عمل اور مذموم ہے جس طرح مشرکین کا طریقہ اور مذہب۔ ☆ جو شخص ابھی نیا نیا مسلمان ہوا ہو، اس کے دل میں کفر و شرک کے دور کی عادات واطوار کا پایا جانا بعید از قیاس نہیں ہے جیسا کہ زیرِ بحث واقعہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس قول سے واضح ہے کہ نَحْنُ حُدَثَاءُ عَهْدٍ بِكُفْرٍ ہمارا زمانہ کُفر ابھی نیا نیا گزرا ہے۔

باب

ما جاء فِي الذَّبْحِ لِغَيْرِ اللهِ

اس باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو جانور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے اس کے بارے میں شریعت اسلامی میں کیا حکم ہے؟

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَ مَمَا تِی لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَاشَرِیْکَ لَهٗ وَ بِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔(الانعام:۱۶۲:۱۶۳)

کہو! میری نماز، میرے تمام مراسمِ عبودیت (یعنی قربانی)، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العٰلمین کیلئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سرِ اطاعت

جھکانے والا میں ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ ان مشرکین کو جو غیر اللہ کی عبادت کرتے اور غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرتے ہیں، خبردار کر دیں کہ میں نے اپنی نمازوں کی ادائیگی اور جانوروں کے ذبح کرنے کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کر لیا ہے اور میں نے یہ محض اس لئے کیا ہے کہ مشرکین، بتوں کی پوجا کرتے اور ان کے نام سے جانور ذبح کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ان کے عمل کی مخالفت اور ان کے کردار سے دامن بچا کر رکھنے کا حکم دیا ہے۔

فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ

پس تم اپنے رب ہی کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔

زیرِ بحث آیات کا باب سے تعلق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے کہا ہے کہ جیسے وہ نماز، روزہ وغیرہ احکام پر عمل کر کے تقرب الی اللہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اسی طرح وہ جانور وغیرہ کو بھی صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ذبح کر کے تقرب حاصل کریں۔ مقصد یہ ہے کہ تمام قسم کی عبادات کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کر لیں کیونکہ جب وہ غیر اللہ کے تقرب کے لئے جانور وغیرہ ذبح کریں گے تو اس کا مطلب صاف یہ ہوگا کہ انہوں نے اس عبادت میں اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو شریک ٹھہرالیا ہے اور لفظ لا شریک لہٗ اس کی کھل کر تردید کر رہا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ: ''۱۔ بدنی اور جسمانی عبادات میں نماز کو اور ۲۔ مالی عبادات میں قربانی اور نحر کو اوّلیت حاصل ہے۔ اگر ہم رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت پر غور کریں تو آپ ﷺ کی زندگی میں یہی دو عبادتیں نمایاں نظر آتی ہیں''۔

وعن علی رضی اللہ عنہ قَالَ حَدَّثَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِاَرْبَعِ کَلِمَاتٍ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ ذَبَحَ لِغَیْرِ اللّٰہِ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَیْہِ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ اٰوٰی مُحْدِثًا لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ غَیَّرَ مَنَارَ الْاَرْضِ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے مجھ چار باتیں ارشاد فرمائیں: ۱۔ جو شخص غیر اللہ کے لئے جانور ذبح کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت۔ ۲۔ جو شخص اپنے والدین پر لعنت کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت۔ ۳۔ جو شخص مُحدث (یعنی بدعتی) کو پناہ دے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت۔ ۴۔ جو شخص زمین کے نشانات کو مٹائے اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی لعنت۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: ''اس آیت کریمہ کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ جو جانور غیر اللہ کے لئے ذبح کیا جائے مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ یہ جانور فلاں ولی یا فلاں بزرگ کے لئے ہے۔ پس ذہن میں جب غیر اللہ سے کوئی مراد ہو تو خواہ نام لے یا نہ لے اسی کا نام تصور کیا جائے گا۔ وہ ذبیحہ جو عیسائی جناب مسیح علیہ السلام کے نام پر ذبح کرتے ہیں، خواہ کھانے کے لئے ہی کیوں نہ ہو، وہ اور اس مذکورہ ذبیحہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یا مثلاً کوئی شخص صرف کھانے کے لئے کسی جانور کو (غیر اللہ کے نام پر) ذبح کرے یا مسیح علیہ السلام اور زہرہ کے تقرب کے لئے کرے تو دونوں کی حرمت میں کوئی شک نہیں ہے اسی طرح جو شخص اسلام کا دعویٰ کرتا ہے اور پھر کسی ولی یا بزرگ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے جانور ذبح کرتا ہے، یہ عبادت غیر اللہ سے استعانت سے بڑھ کر کفر ہے، جیسا کہ اُمت مسلمہ میں سے منافقین کا گروہ اس فعل کے ارتکاب میں پیش پیش ہے۔ جو کواکب وغیرہ کے تقرب کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ یہ لوگ مرتدین کے حکم میں ہیں اور ان کا ذبیحہ کھانا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے اس کی حرمت کی بڑی وجوہ دو ہیں: ۱۔ ایک یہ کہ یہ غیر اللہ کے لئے ذبح کیا جاتا ہے۔ ۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ مرتد کا ذبیحہ ہے۔ مکۃ المکرّمہ میں اہل جاہلیت اسی طرح جنات کے لئے ذبح کرتے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کے لئے ذبح کئے گئے جانور کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے''۔

صحیح بخاری میں ایک روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''کبیرہ گناہوں میں سے ایک یہ ہے کہ انسان اپنے ماں باپ کو گالی دے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو بھی گالی دے سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! جب کوئی شخص کسی دوسرے کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ بھی جواب میں اسکے ماں باپ کو گالی دیتا ہے (تو اصل میں پہلے شخص نے اپنے ہی ماں باپ کو گالی دی)۔

زمین کی حد بندی کے لیے جو نشان لگایا جاتا ہے اسکو منار کہتے ہیں۔ یعنی سڑک پر وہ علامات، جس سے مسافت معلوم ہوتی ہے۔ اور جو شخص دوسرے کی زمین ہتھیانے کے لیے نشانات کو مٹا دے وہ بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''جو شخص دوسرے بھائی کی ایک بالشت زمین ناحق لے لیتا ہے، قیامت کے دن سات زمینیں بصورتِ طوق اس کی گردن میں ڈال دی جائیں گی''۔

و عن طارق ابن شهاب اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ دَخَلَ الْجَنَّةَ رَجُلٌ فِیْ ذُبَابٍ وَ دَخَلَ النَّارَ رَجُلٌ فِیْ ذُبَابٍ قَالُوْا وَ كَيْفَ ذٰلِكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَرَّ رَجُلَانِ

عَلیٰ قَوْ مٍ لَّھُمْ صَنَمٌ لَا یُجَاوِزُہٗ اَحَدٌ حَتّٰی یُقَرِّب لَہٗ شَیْئًا فَقا لُوْا لِاَحَدِھِمَا قَرِّبْ قَالَ لَیْسَ عِنْدِیْ شَیْءٌ اُقَرِّبُ قَالُوْا لَہٗ قَرِّبْ وَ لَوْ ذُبَابًا فَقَرَّبَ ذُبَابًا فَخَلُّوْا سَبِیْلَہٗ فَدَخَلَ النَّارَ وَ قَالُوْا لِلْاٰخَرِ قَرِّبْ فَقَالَ مَاکُنْتُ لِاُقَرِّبَ لِاَحَدٍ شَیْئًا دُوْنَ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ فَضَرَبُوْا عُنُقَہٗ فَدَخَلَ الْجَنَّۃَ (رواہ احمد)۔

سیدنا طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''ایک شخص صرف ایک مکھی کی وجہ سے جنت میں جا پہنچا اور ایک جہنم میں چلا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کیسے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو شخص چلتے چلتے ایک قبیلے کے پاس سے گزرے اور اس قبیلے کا ایک بہت بڑا بت تھا۔ وہاں سے کوئی شخص بغیر چڑھاوا چڑھائے نہ گزر سکتا تھا چنانچہ ان میں سے ایک کو کہا گیا کہ یہاں ہمارے بت پر چڑھاوا چڑھاؤ۔ اس نے معذرت کی کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں۔ انھوں نے کہا کہ تمہیں یہ عمل ضرور کرنا ہوگا اگرچہ ایک مکھی پکڑ کر ہی چڑھا دو۔ اس مسافر نے مکھی پکڑ کر چڑھاوا اس کی بھینٹ کر دیا اور انھوں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ شخص اس مکھی کی وجہ سے جہنم میں چلا گیا۔ دوسرے شخص سے کہنے لگے کہ تم کسی چیز کا چڑھاوا چڑھا دو تو اس اللہ کے بندے نے جواب دیا کہ میں غیر اللہ کے نام پر کوئی چڑھاوا نہیں چڑھا سکتا۔ یہ جواب سنتے ہی انہوں نے اس مرد موحّد کو شہید کر دیا تو یہ سیدھا جنت میں پہنچا۔

فیہ مسائل

☆ جو شخص غیر اللہ کے لئے ذبح کرے اس کا پہلے ذکر اور اسے ملعون قرار دینا۔ ☆ جو شخص اپنے والدین کو ملعون کہے وہ خود ملعون ہے اور اگر یہ کہ تم کسی کے والدین کو ملعون کہو گے تو لازمی طور پر وہ تمہارے والدین کو ملعون قرار دیگا۔ اس طرح تم اپنے ہی والدین کو ملعون ٹھراتے ہو۔ ☆ جو شخص محدث (یعنی بدعتی) کو پناہ دے اس پر لعنت، یہ وہ شخص ہے جو کسی ظلم ارتکاب کرے اور پھر پناہ کا متلاشی ہوتا کہ اس سے اس ظلم کا بدلہ نہ لیا جا سکے۔ ☆ جو شخص علامات زمین کو بدلتا ہے اس پر لعنت۔ ان نشانات کو آگے پیچھے کر کے اپنے پڑوسی کا حق مارنا مقصود ہے۔ ☆ کسی خاص شخص کو اور بدکاروں کی جماعت پر عموماً لعنت میں فرق کی وضاحت۔ ☆ وہ قصّہ عظیم ہے جو قصّہ ذباب ہے۔ ☆ ایک شخص مکھّی کی وجہ سے جہنّم میں چلا گیا حالانکہ اس کا مقصد اہل صنم کے شر

نجات حاصل کرنا تھا نہ کہ شرک کرنا۔ ☆ایک مومن کے دل میں شرک کتنا سنگین جرم ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے ایک ظاہری عمل کی مخالفت کر کے اپنی جان کی بازی لگا دی لیکن وہ ادنیٰ شرک کرنے پر تیار نہ ہوا کیونکہ اہل صنم نے صرف ظاہری عمل کرنے کو کہا تھا۔ ☆جو شرک کر کے جہنم کا سزاوار ٹھہرا وہ مسلمان تھا کیونکہ اگر وہ کافر ہوتا تو رسول اللہ ﷺ یہ نہ فرماتے کہ ''ایک مکھی کے عوض جہنم میں گیا''۔ ☆زیرِ نظر حدیث ایک دوسری صحیح حدیث کے ہم معنیٰ ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''جنت اور دوزخ انسان کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب تر ہیں''۔ ☆دلی کیفیت کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ عنداللہ اسی کی مناسبت سے بدلہ ملے گا اور اس حقیقت کو جان لینا کہ بتوں کے پجاریوں کے ہاں بھی دل کی کیفیت ہی مقصود و مطلوب تھی۔

باب

لا یذبح لِلّٰہِ بمکان یذبح فیہ لغیر اللہ

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس جگہ غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کئے جاتے ہیں وہاں صرف اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا ناجائز ہے۔

(قَوْلَ اللّٰہ تَعَالیٰ لَا تَقُمْ فِیْہِ اَبَدًا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْہِ

(پیارے پیغمبر ﷺ) تم ہرگز اس عمارت میں نہ کھڑے ہونا۔ جو مسجد روزِ اوّل سے تقویٰ پر قائم کی گئی تھی وہی اس کے لیے زیادہ موزوں ہے کہ تم اس میں (عبادت کے لیے) کھڑے ہو۔

اس آیت کریمہ کے بارے میں مفسّرین کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مسجد ضرار میں نماز پڑھنے سے روک دیا تھا اور اس ممانعت میں آپ ﷺ کے ساتھ اُمّت بھی شامل ہے۔ سیدنا ابی سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: ''قرآنِ کریم میں جس مسجد کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھے جانے کا ذکر ہے، اس کے متعلق دو شخص مسجد نبوی ﷺ میں آپس میں ایک دوسرے سے مباحثہ کر رہے تھے۔ ایک کا کہنا یہ تھا کہ وہ مسجد قباء ہے۔ دوسرے شخص کا موقف یہ تھا کہ اس مسجد سے مسجد نبوی ﷺ مراد ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''وہ میری

یہ مسجد ہے''۔(مسلم)۔

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ۔(التوبہ:۱۰۸)

اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ کو پاکیزگی اختیار کرنیوالے ہی پسند ہیں

وہ مقام، جہاں غیر اللہ کے لئے جانور ذبح کئے جاتے ہیں وہاں خالص اللہ تعالیٰ کے لیے جانور ذبح کرنے سے بچنا چاہیئے، بالکل اسی طرح، جس طرح کہ مسجد ضرار کی تعمیر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی بنا پر کی گئی تھی، لہٰذا یہ مسجد اللہ تعالیٰ کے غضب کی جگہ ٹھہری، جس میں نماز جائز نہیں۔ اسی طرح جہاں غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کئے جاتے ہوں وہاں اللہ تعالیٰ کے لئے جانور ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔

عن ثابت بن الضحاک رضی اللہ عنہ قَالَ نَذَرَ رَجُلٌ اَنْ يَّنْحَرَ اِبِلًا بِبُوَانَةَ فَسَاَلَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ هَلْ كَانَ فِيْهَا وَثَنٌ مِّنْ اَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ قَالُوْا لَا قَالَ فَهَلْ كَانَ فِيْهَا عِيْدٌ مِّنْ اَعْيَادِهِمْ قَالُوْا لَافَقَالَ رسول الله ﷺ اَوْفِ بِنَذْرِكَ فَاِنَّهٗ لَا وَفَآءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَ لَا فِيْمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ اٰدَمَ

سیدنا ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ بوانہ نامی مقام پر جا کر چند اونٹ ذبح کرے گا اس نذر کے ماننے والے نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا وہاں کوئی بت تھا جس کی مشرک پوجا کرتے تھے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ نہیں۔ آپ ﷺ نے دوبارہ پوچھا کہ کیا وہاں مشرکین کا میلہ لگا تھا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کرلو اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نذر کا پورا کرنا درست نہیں ہے۔ اور نہ وہ نذر پوری کرنا صحیح ہے جو انسان کی ملکیت میں نہ ہو۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''یہ حدیث اس بات کی بین دلیل ہے کہ جس مقام پر مشرکین کا میلہ لگتا ہو یا اس مقام پر ان کا کوئی بت وغیرہ نصب ہو، اگرچہ اس مقام پر اب نہ میلے کا اہتمام ہوتا ہو اور نہ بت پرستی ہو، تاہم اس مقام پر اللہ تعالیٰ کے لئے کسی جانور کو ذبح کرنا ممنوع ہے اور مصیبت کے دائرے میں داخل ہے کیونکہ مشرکین کا کسی جگہ پر میلہ لگانا یا کسی مقام پر ان کا غیر اللہ کی عبادت کرنا، خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ذبح کرنے اور نذر پورا کرنے کے لئے مانع اور رکاوٹ ہے''۔ حدیث پاک کے یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ غلط مقام پر صحیح نذر کو پورا کرنا بھی مصیبت ہے اور اس کا پورا کرنا بھی بالاجماع ممنوع ہے۔

فیہ مسائل

☆اللہ کی اطاعت اور اس کی نافرمانی کا اثر زمین پر بھی ہوتا ہے۔ ☆مشکل مسئلہ کو پوری وضاحت سے سمجھانے کی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ کوئی اشکال باقی نہ رہے۔ ☆اگر مفتی مناسب سمجھے تو متعلقہ مسئلہ کی تفصیلات دریافت کرسکتا ہے۔ ☆اگر کوئی شرعی رکاوٹ نہ ہو تو نذر کو پورا کرنے کے لئے کسی بھی جگہ کو مخصوص کیا جاسکتا ہے۔ ☆جس مقام پر دورِ جاہلیت کے اوثان میں سے کوئی وثن ہو، اگرچہ اس کو ختم ہی کردیا گیا ہو تاہم ایسی جگہ کو نذر پورا کرنے کیلئے منتخب نہیں کرنا چاہیئے۔ ☆مشرکین کی عید کی جگہوں پر نذر پوری کرنے سے باز رہنا چاہیئے اگرچہ مشرکین کے عید منانے کا سلسلہ ختم ہی ہوچکا ہو۔ ☆مذکورۃ الصدر ایسی جگہوں میں نذر مانی گئی ہو تو اس کو پورا نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ یہ نذر معصیت کی نذر کہلائے گی۔ ☆مشرکین کی عید کے دن کی مشابہت سے بچنا چاہیئے اگرچہ ان کے ساتھ عید منانا مقصود نہ بھی ہو۔ ☆اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے سلسلے کی نذر باطل ہے۔ ☆انسان جس کا خود مالک نہیں ہے اس کی نذر ماننا غلط ہے۔

باب

من الشرک النذر لغیر اللّٰہ

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز دینا شرک ہے

یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَ یَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیْرًا (الدھر:۷) وَ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَۃٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُہٗ

یہ وہ لوگ ہوں گے جو (دنیا میں) نذر پوری کرتے ہیں اور اُس دن سے ڈرتے ہیں جسکی آفت ہر طرف پھیلی ہوئی ہوگی۔ (الدھر:۷) تم نے جو کچھ خرچ کیا ہو، اور جو نذر بھی مانی ہو اللہ کو اسکا علم ہے

یہ آیت کریمہ نذر پوری کرنے کے وجوب پر دلالت کناں ہے کیونکہ نذر کا پورا کرنا عبادت کے قبیل سے ہے اور اس کے ساتھ اس بات کی بھی تصریح موجود ہے کہ غیر اللہ کی نذر ماننا شرک ہے اور یہ کہ جو شخص خالصۃً اللہ تعالیٰ کے لئے نذر مانتا ہے اور اسے پورا بھی کرتا ہے، وہ لائق تعریف ہے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینے کے

بعد یہ امر واضح ہو گیا کہ وہ نذریں جو عبادِ قبور، اہل قبور سے تقرب حاصل کرنے کی غرض سے مانتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اصحابُ القبور اِن کی حاجات پوری کریں اور ان کے سفارشی بنیں، تو یہ سب بلاریب وشک شرک فی العبادت ہے۔

جو شخص قبر وغیرہ کے لئے تیل کی نذر مانے تا کہ قبروں پر دیئے جلائے اور جیسا کہ بعض گمراہ لوگوں کا عقیدہ ہے، یہ عقیدہ رکھے کہ نذر قبول کی جاتی ہے ایسی نذر مسلمانوں کے نزدیک بالاتفاق معصیت ہے اور اسے پورا کرنا ناجائز ہے۔ یہی صورت حال اس مال کی ہوگی جو صاحب قبر یا مجاورین کو خوش کرنے کے لئے بطورِ نذر مانا گیا ہو، کیونکہ یہ مجاورین ان لوگوں سے ملتے جلتے ہیں جو کہ لات، عُزّٰی اور مناۃ کے مجاور تھے۔ وہ بھی ناحق، لوگوں کا مال کھاتے تھے اور اللہ کی راہ سے روکتے تھے۔ آج کے مجاوروں کا بھی یہی حال ہے یہ بھی عوام الناس کا مال بے دریغ کھاتے ہیں اور سب سے بڑا ظلم یہ ہو رہا ہے کہ یہ لوگ صراطِ مستقیم سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں قبروں کے ان محافظوں اور مجاوروں کو نذر پیش کرنے کی حیثیت عیسائیوں کی صلیب کے محافظوں اور پہرے داروں کی سی ہے، یا پھر ہندوستان میں بُدھ کے مجسموں کے ان پجاریوں کی ہے جو اپنے بتوں کی حفاظت کی خاطر یہاں دھرنا دے کر بیٹھے رہتے ہیں۔

وفی الصحیح عن عائشة اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ مَنْ نَذَرَ اَنْ یُّطِیْعَ اللّٰہَ فَلْیُطِعْهُ وَ مَنْ نَذَرَ اَنْ یَّعْصِیَ اللّٰہَ فَلَا یَعْصِهِ

صحیح بخاری میں اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ ﷺ سے روایت ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص یہ نذر مانے کہ وہ کسی معاملہ میں اللہ کی اطاعت کرے گا تو اسے اپنی یہ نذر کرنی چاہیئے۔ اور جو شخص ایسی نذر مانے جو اللہ کی نافرمانی پر منتج ہو تو اس کو پورا کر کے اللہ کا نافرمان نہ بنے''۔

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جو نذر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے مانی گئی ہو، جیسے یہ کہے کہ اگر میرے مریض کو اللہ تعالیٰ نے صحت عطا فرمائی تو میں اتنا مال صدقہ کروں گا، تو ایسی نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔ اگر اس نے کسی چیز کے حصول پر ایفائے نذر کو معلق رکھا تو اس کے حاصل ہونے کے بعد نذر پوری کرے۔

فیہ مسائل

☆ نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔ ☆ جب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ نذر، اللہ کی ایک عبادت ہے تو اس

عبادت کو غیر اللہ کے لئے انجام دینا شرک ہوا۔ ☆ جو نذر معصیت ہو اُسے پورا کرنا جائز نہیں۔

باب

مِنَ الشِّرکِ السُتِعَاذَۃ بِغَیر اللہ

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ غیر اللہ کی پناہ طلب کرنا شرک کے دائرہ میں داخل ہے۔

بَابٌ مِّنَ الشِّرکِ اَلاِسْتِعَاذَۃُ بِغَیْرِ اللہِ

غیر اللہ سے پناہ طلب کرنا شرک کے دائرہ میں داخل ہے۔

ہر قسم کی موذی، مہلک اور شریر اشیاء سے بچاؤ کے لئے صرف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا رُخ کرنے اور اسی کو اپنا ملجا و ماویٰ قرار دینے کو استعاذہ کہتے ہیں یہ استعاذہ کبھی تو کسی کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے ہوتا ہے اور کبھی کسی بھلائی کی طلب کے لئے۔

شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ عبادات ہیں جن کو اخلاص کے ساتھ انجام دینے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے جیسے فرمایا: (ترجمہ) ''کہو میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی''۔ (الفلق:۱) ''کہو میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب کے''۔ (الناس:۱)۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ''جنات نے یہ خیال کیا کہ ہم انسانوں سے افضل اور اعلیٰ مقام کے مالک ہیں کیونکہ انسان ہماری پناہ کی تلاش و جستجو میں رہتے ہیں۔ یعنی زمانہ جاہلیت میں لوگ جب کسی ایسی وادی میں مقیم ہوتے جہاں کوئی خطرہ ہو یا کسی جنگل میں ٹھہرتے جہاں توحش کا سماں ہو تو اس جنگل اور وادی کے سب سے بڑے جن کی پناہ طلب کرتے کہ کہیں ہمیں کوئی چیز تکلیف نہ پہنچائے۔ جیسے

اگر کوئی شخص کسی دشمن کے ملک میں جائے تو اس صورت میں کسی صورت میں کسی بہت بڑے آدمی کی پناہ حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ جب جنات نے محسوس کیا کہ انسان ڈر کر ہماری پناہ میں آتا ہے تو انہوں نے اپنا رعب، دبدبہ اور خوف وخطر کو ان پر اور زیادہ مسلط کر دیا حتیٰ کہ اس زمانے میں انسان سب سے زیادہ خوف جنات ہی سے کھانے لگا''۔

ابوالعالیہ، الربیع اور زید بن اسلم نے رَهَقًا کا ترجمہ خَوْفًا کیا ہے۔

(قَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا (الجن:٦)

انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں میں سے بعض لوگوں کی پناہ مانگا کرتے تھے اس طرح انہوں نے جنوں کا غرور اور زیادہ بڑھا دیا۔

جنات سے فائدہ حاصل کرنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اپنی کوئی ضرورت پوری کرالے یا اپنا کوئی حکم منوالے، یا کسی نامعلوم اور مقام بعید کی خبر حاصل کرلے وغیرہ وغیرہ۔ اور جنات کے انسانوں سے فائدہ حاصل کرنے کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ان سے اپنی تعظیم کرالے، یا اس کو استعاذہ پر مجبور کردے یا اپنے سامنے اس کو کسی کام کے لیے مجبور کردے وغیرہ۔ ''اس استعاذہ سے اگر کوئی دنیوی فائدہ حاصل ہو بھی جائے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ یہ شرک نہیں ہے بلکہ یہ شرک ہی رہے گا''۔

وعن خولة بنت حكيم قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ نَزَلَ مَنْزِلًا فَقَالَ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّا تِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ لَمْ يَضُرَّهٗ شَيْءٌ حَتّٰى يَرْحَلَ مِنْ مَّنْزِلِهٖ ذٰلِكَ (رواہ مسلم)۔

سیدہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ جو شخص کسی جگہ میں ٹھہرے اور یہ کلمات کہ لے کہ ''میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اسکے مکمل اور بے عیب کلمات کیساتھ، تمام مخلوق کے شر سے'' تو مذکورہ دُعا پڑھنے سے اس مقام سے کوچ کرنے کے وقت تک اُسے کوئی چیز تکلیف نہ دے سکے گی۔

فیہ مسائل

☆ غیر اللہ سے استعاذہ کرنے کا شرک کرنا۔ ☆ غیر اللہ سے استعاذہ کے شرک ہونے پر حدیث سے

استدلال، کیونکہ علمائے کرام اس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اللہ کے کلمات مخلوق نہیں ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ مخلوق سے استعاذہ کرنا شرک ہے۔ اگر کلماتُ اللہ مخلوق ہوتے تو رسول اللہ ﷺ ان سے استعاذہ کی اجازت نہ دیتے۔ ☆اس دعا کے مختصر ہونے کے باوجود اس کی فضیلت۔ ☆کسی عمل سے اگر دنیاوی فائدہ حاصل ہوجائے، مثلاً کسی کی شرارت سے محفوظ رہنا یا کوئی نفع حاصل ہوجائے تو یہ فائدہ اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ یہ عمل شرک نہیں ہے۔

باب

مِنَ الشِّرْکِ الْاِسْتِغَاثَۃُ بِغَیْرِ اللہِ وَدُعَاءُ غَیْرِ اللہِ

اس باب میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ غیر اللہ کو پکارنا یا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اَور سے فریاد کناں ہونا شرک ہے۔

بَابٌ مِّنَ الشِّرْکِ اَنْ یَّسْتَغِیْثَ بِغَیْرِ اللّٰہِ اَوْ یَدْعُوَ غَیْرَہٗ

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''کسی سے مدد طلب کرنے کو استغاثہ کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس سختی میں مبتلا ہو اس کا ازالہ ہوجانا۔ استغاثہ کے معنٰی بالکل اسی طرح امداد طلب کرنا ہیں جس طرح استنصار کا معنی نصرت طلب کرنا اور استعانت کے معنی اِعانت طلب کرنا ہیں''۔

بعض علماء نے استغاثہ اور دُعا میں فرق کیا ہے اور وہ یہ کہ استغاثہ میں شرط یہ ہے کہ مستغیث کسی مصیبت میں مبتلا ہو جبکہ دُعا عام ہے، کسی مصیبت میں مبتلا ہو یا نہ ہو، دُعا ہر وقت مانگی جاسکتی ہے۔

دعاء کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ دعائے عبادت۔ ۲۔ دعائے مسئلہ۔ قرآنِ کریم میں یہ دونوں ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوئی ہیں اور بعض اوقات بیک وقت دونوں مقصود ہوتی ہیں۔ دعائے مسئلہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی تکلیف اور مشکل سے نجات کا طلبگار ہو یا کسی منافع کا خواہشمند ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی سخت مذمت فرمائی ہے جو اللہ کے علاوہ ایسے افراد سے طالبِ دعا ہو جو کسی نفع یا نقصان کے قطعاً مجاز نہیں ہیں جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ: (ترجمہ) ''اور اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو نہ پکار جو تجھے نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان، اگر تو ایسا کرے گا ظالموں میں سے ہوگا''۔ (یونس۔۱۰۶)۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ''ہر دعا عبادت ہے، جو مستلزم ہے دعائے سوال کو اور ہر دعا سوال ہے جو متضمّن ہے دعائے عبادت کو، جیسا کہ دعائے سوال کے بارے میں قرآن کریم کہتا ہے: ''اپنے ربّ کو پکارو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا'' (الاعراف: ۵۵)۔ ''ذرا غور کر کے بتاؤ اگر تم پر اللہ کی طرف سے کوئی بڑی مصیبت آجاتی ہے یا آخری گھڑی آپہنچتی ہے تو کیا تم اللہ کے سوا کسی اور کو پکارتے ہو بولو اگر تم سچے ہو تو۔ اس وقت تم اللہ ہی کو پکارتے ہو پھر اگر وہ چاہتا ہے تو اس مصیبت کو تم پر سے ٹال دیتا ہے ایسے موقعوں پر تم اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو بھول جاتے ہو (الانعام: ۴۰، ۴۱)

دعائے سوال کے بارے میں قرآنِ کریم میں بیشمار آیات موجود ہیں یہ چند آیات بطورِ نمونہ پیش کی گئی ہیں۔ یہ دعائے سوال کے بارے میں آیات، دعائے عبادت کو بھی متضمن ہیں کیونکہ سائل نے اپنا سوال فقط اللہ ہی کے سامنے پیش کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دعائے عبادت ایک ایسا عمل ہے جو تمام عبادات سے افضل واعلیٰ ہے۔ یہی حالت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہنے والے، کتاب اللہ کی تلاوت کرنے والے اور دوسری عبادات میں مشغول رہنے والے کی ہے کیونکہ وہ حقیقی اور معنوی طور پر اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگتا ہے۔ لہٰذا دعا کرنے والا بھی، عبادت گزار ہی ٹھہرا''۔

اللہ تعالیٰ اپنے خلیل علیہ السلام کی دعا کو نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ: (ترجمہ) ''میں آپ لوگوں کو بھی چھوڑتا ہوں اور ان ہستیوں کو بھی جنہیں آپ لوگ اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو۔ میں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا۔ اُمید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کے نامراد نہ رہوں گا''۔

دعا کے بارے میں اللہ تعالیٰ بار بار تاکید فرماتا ہے کہ اے میرے بندو: ''اپنے رب کو پکارو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ زمین میں فساد برپا نہ کرو جبکہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے، اور اللہ ہی کو پکارو خوف کے ساتھ اور طمع کے ساتھ یقیناً اللہ کی رحمت نیک کردار لوگوں سے قریب ہے''۔ (الاعراف: ۵۵ تا ۵۶)

مندرجہ بالا آیت کریمہ میں دعائے سوال ہے جو عبادت کو متضمن ہے۔ داعی (دعا کرنے والا) مدعو (جس دعاء کی جائے) کے لئے راغب ہوتا اور اس کے سامنے نہایت عجز وانکساری اور تذلل وخضوع کا اظہار کرتا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنے الرسالہ السنیۃ میں لکھتے ہیں کہ: ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد

مبارک میں اسلام کی طرف انتساب رکھنے والے بعض افراد بڑی بڑی عبادات ادا کرنے کے باوجود دائرہ اسلام سے خارج ہوسکتے ہیں تو آج کا مسلمان بدرجہ اولیٰ دائرہ اسلام سے باہر نکل سکتا ہے اور اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔ مشائخ کے بارے میں حد سے زیادہ تجاوز اور غلو کر جانا جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے متعلق بعض لوگ حد سے تجاوز کر گئے اور اسی طرح سیدنا مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں نے انتہائی غلو سے کام لیا۔ پس ہر وہ شخص جو کسی نبی، رسول یا کسی صالح انسان کے بارے میں غلو سے کام لیتا ہے اور اُلوہیت کا کوئی انداز اس میں تصور کرتا ہے، مثلاً یہ کہتا ہے کہ: ''اے حضرت میری مدد کیجئے، یا میری فریاد رسی کیجئے یا مجھے رزق دیجئے یا میں تیری پناہ میں آتا ہوں''۔ اور اس قسم کے دوسرے اقوال؛ پس یہ سب شرک اور ضلالت ہے۔ اس قسم کے الفاظ کہنے والے سے توبہ کرنے کو کہا جائے گا۔ اگر یہ توبہ کرلے تو فبہا، ورنہ اسے قتل کر دیا جائے اللہ تعالیٰ نے اسی لئے تو انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث کیا اور کتابیں نازل فرمائیں کہ صرف اُسی ایک اللہ کی عبادت کی جائے، جس کا کوئی شریک نہیں ہے، اس کے علاوہ کسی اور کو معبود نہ پکارا جائے''۔

سو جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو معبود قرار دیتے تھے، مثلاً عیسیٰ علیہ السلام، ملائکہ اور اصنام وغیرہ کو، تو ان کا یہ عقیدہ ہرگز نہ تھا کہ یہ کسی مخلوق کو پیدا کرتے ہیں یا بارش برساتے ہیں یا انگور وغیرہ اُگاتے ہیں، بلکہ وہ یا تو ان کی عبادت کرتے تھے یا ان کی قبروں کو پوجتے تھے یا ان کی تصویروں کے سامنے جھکتے تھے اور یہ کیوں کرتے تھے؟ قرآن مجید اس کی وضاحت ان الفاظ میں کرتا ہے: (ترجمہ) ''ہم تو ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ تک ہماری رسائی کرادیں''۔ (الزمر۔۲)۔ ''مشرک یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے صرف سفارشی ہیں''۔ (یونس۔۱۰)۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو مبعوث فرما کر لوگوں کو اس بات سے روکا کہ وہ کسی دوسرے کو نہ پکارا کریں، نہ دعائے عبادت کی صورت میں اور نہ دعائے استغاثہ کے انداز میں''۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ: ''جو شخص اللہ تعالیٰ اور اپنے درمیان کسی بھی غیر اللہ کو وسیلہ بنائے، ان پر بھروسہ کرے، ان کو پکارے اور ان سے سوال کرے وہ شخص بالاجماع کافر ہے''۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''شرک کی اقسام میں سے ایک قسم یہ بھی ہے کہ انسان اپنی ضروریات فوت شدہ اولیاء اللہ سے طلب کرے، ان کے نام سے استغاثہ کرے اور ان کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جائے، حقیقت یہ ہے کہ یہی شرک کی جڑ ہے۔ جو شخص فوت ہو چکا، اس کے اعمال منقطع ہو

چکے۔ وہ تو اب خود اپنی ذات کے نفع ونقصان پر بھی قدرت نہیں رکھتا چہ جائیکہ دوسروں کی ضروریات میں کام آئے، ان کی فریاد سنے یا یہ کہے کہ وہ اللہ سے اس کی سفارش کرے گا۔ یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ طالب ومطلوب اور شافع ومشفوع دونوں برابر ہیں''۔

احناف کی مشہور کتاب ''فتاویٰ البزازیہ'' میں لکھا ہے کہ: ''جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ بزرگانِ دین اور مشائخ کی روحیں حاضر ہیں اور ہمارے بارے میں علم رکھتی ہیں، وہ کافر ہو جاتا ہے۔

شیخ صنع اللہ حنفی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''**الردّعلی من ادعی ان للاولیاء تصَرفات فِی الحیات و بعد الممات علی سبیلِ الکرامۃ**'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ''دورِ حاضر میں مسلمانوں میں کچھ گروہ اس قسم کے پیدا ہو گئے ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اولیاء اللہ کو اپنی زندگی میں بھی اور بعد از وفات بھی اس عالم میں قدرت، تصرف حاصل ہے اور شدائد وبلیات میں اُن سے استغاثہ اور استعانت کی جاسکتی ہے کیونکہ اُن کی سعی وہمت سے مشکلات رفع ہوتی ہیں۔ لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہوئے ان کی قبروں پر آتے ہیں اور ان سے حاجات رفع کرنے کی درخواست کرتے ہیں کہ یہ اصحابِ کرامت تھے۔ وہ ان کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ اِن میں ابدال بھی تھے اور نقباء بھی، اوتاد بھی تھے اور نجباء بھی، ان کی تعداد ۷۷ اور ۴۴ تک پہنچتی ہے۔ قطب وہ ہے جو لوگوں کی فریادیں سنتے ہیں اور ان ہی پر اس نظام کا دارومدار ہے۔ ان کے نام کی نذر ونیاز بھی دیتے ہیں، جانور بھی ذبح کرتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اس سے وہ اولیاء ان کو مستحق اجر گردانتے ہیں''۔

شیخ صنع اللہ رحمۃ اللہ علیہ، مزید فرماتے ہیں کہ: ''یہ وہ عقیدہ ہے جس میں نہ صرف افراط وتفریط ہی پائی جاتی ہے بلکہ اس میں ہلاکتِ ابدی اور عذابِ سرمدی بھی ہے کیونکہ اس میں خالص شرک کی بو آتی ہے جو کتابُ اللہ کے صحیح اور واضح احکام کے صریح خلاف ہے، تمام ائمہ کرام کے عقائد سے متصادم ہے اور اجتماعِ اُمت کے خلاف ہے قرآنِ کریم کہتا ہے کہ: (ترجمہ) ''جو شخص رسول کی مخالفت پر کمربستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے درآں حالیکہ اِس پر راہِ راست واضح ہو چکی ہو تو اس کو ہم اسی طرح چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار ہے''۔ (النساء۔۱۱۵)۔ ''اور کون ہے جو خلق کی ابتداء کرتا اور پھر اسکا اعادہ کرتا ہے اور کون تم کو آسمان وزمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے جو ان کاموں میں حصہ دار ہے۔ لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو؟ ان سے کہو، اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا اور وہ نہیں جانتے کہ کب وہ اٹھائے جائیں گے'' (النمل۔۶۱۔۶۵)۔

یہ تمام آیاتِ قرآنی اس بات پر دلائل کناں ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو اپنی مخلوق کے لئے تدبیر، تصرف اور تقدیر کا اختیار حاصل ہے۔ اس میں کسی بھی غیر اللہ کو ذرہ برابر دخل نہیں ہے تمام کائنات اس کے قبضہ قدرت، اس کی تسخیر اور اس کے تصرف میں ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ زندگی، موت اور پیدائش اسی کے ہاتھ میں ہے۔ چونکہ یہ تمام اُمور فقط اللہ تعالیٰ کے اختیار وقدرت میں ہیں، اس لیے اس کی تعریف وثناء میں بہت سی آیات موجود ہیں، مثلاً: (ترجمہ) ''لوگو، تم پر اللہ کے جو احسانات ہیں، انھیں یاد رکھو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق بھی ہے جو تمھیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو، کوئی معبود اس کے سوا نہیں، آخر تم کہاں سے دھوکا کھا رہے ہو؟ (فاطر:۳)۔ ''اسے چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ ایک پرہ کا (کھجور کی گٹھلی کے چھلکے) کے مالک بھی نہیں ہیں، انہیں پکارو تو وہ تمہاری دعائیں سن نہیں سکتے اور سن لیں تو ان کا تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے روز وہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے، حقیقتِ حال کی ایسی صحیح خبر ایک خبردار کے سوا کوئی نہیں دے سکتا''۔

علاّمہ رحمۃ اللہ علیہ موصوف نے یہاں بہت سی آیات نقل کی ہے اور پھر فرماتے ہیں کہ: ''تمام آیات میں لفظ ''دُوْنِہٖ'' سے ہر وہ غیر اللہ مراد ہے جس کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے کہ وہ استمداد کے قابل ہے، چاہے کوئی ولی ہو یا کوئی شیطانی طاقت جو خود تو اپنی مدد نہیں کر سکتا، وہ بھلا دوسروں کی کیا مدد کرے گا''؟۔

علاّمہ رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ: ''یہ خیال کرنا کہ اولیاء اللہ کو مرنے کے بعد کسی قسم کے تصّرف پر کوئی قدرت حاصل ہے، یہ ان کی زندگی میں تصرفات کا عقیدہ رکھنے سے بھی زیادہ شنیع اور بدعی عقیدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا ہے کہ: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی فوت ہونے والے ہیں اور یہ لوگ بھی فوت ہونے والے ہیں''۔ (الزمر:۳۰)۔ ''وہ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت رُوحیں قبض کرتا ہے اور جو ابھی نہیں مرا ہے اس کی روح نیند میں قبض کر لیتا ہے''۔ (الزمر:۴۲)۔ ''ہر جاندار چیز نے موت کا مزا چکھنا ہے''۔ (۱۸۵)۔ ''ہر نفس اپنے کرتوت میں پھسا ہوا ہے''۔ (المدثر:۳۸)۔ ''انسان جب فوت ہو جاتا ہے تو اس کے تمام اعمال مُنقطع ہو جاتے ہیں''۔ (صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی)۔

یہ اور اس کے علاوہ دوسری آیات واحادیث اس حقیقت پر دلائل کرتی ہیں کہ موت کے بعد انسان کی حرکت وحِس مُنقطع اور ختم ہو جاتی ہے۔ ان کی ارواح اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہوتی ہیں اور ان کے اعمال میں کمی بیشی کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ میت کو تو اپنی ذات پر بھی کسی قسم کے تصرف کا کوئی

اختیار نہیں ہوتا وہ دوسروں کے معاملات میں کس طرح تصرف کریگی؟ تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ تو یہ کہتا ہے کہ ارواح قطعی طور پر میرے قبضے میں ہیں اور ملحد واصحابِ بدعت یہ کہتے ہیں کہ ان کو علی الاطلاق تصرفات حاصل ہیں: ''کہو تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ''؟۔(البقرۃ:۱۴۰)۔

علاّمہ رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ: ''ان کا یہ عقیدہ کہ یہ تصّرفات ان ارواحِ اولیاء کی کرامت ہیں، تو یہ ایک مغالطہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ کرامت تو من جانب اللہ اولیائے کرام کے لیے ایک ایسا اعزاز ہے جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے کسی ولی اللہ کے ذریعے ظہور پذیر ہوتا ہے، کسی شخص کو اس میں نہ کوئی دخل ہوتا ہے نہ علم ہوتا ہے اور نہ اس کے اظہار پر قدرت حاصل ہوتی ہے اس مقام پر بہت سی آیات نقل کرنے کے بعد علامہ رحمۃ اللہ علیہ موصُوف فرماتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ نے یہ بات بار بار بیان فرمائی ہے کہ مصائب و مشکلات کو دُور کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور تنہا وہی مصیبت زدہ اور مضطر لوگوں کی التجاء و دعاء کو سنتا اور شرف قبولیت بخشتا ہے، اسی سے استغاثہ کیا جاتا ہے، وہی تمام کائنات کا فریادرس ہے، وہی مصائب و بلیات کو دور کرنے پر قادر ہے۔ کسی کی خیر خواہی اس کو مقصود ہو تو وہی اصل خیر خواہ ہے، وہی خیر و برکت کا مالک اور تقسیم کرنے والا ہے، وُہی اکیلا بلا شرکت غیرے سب کام انجام دیتا ہے''۔ سو جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ تمام اُمور فقط اسی ایک اللہ کے قبضہ وقدرت میں ہیں تو اس سے انبیاء واولیاء اور ملائکہ سب کے متصرف اور فریادرس ہونے کی نفی ہوگئی''۔

علامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''ظاہری اور روزمرہ کے عادی معاملات میں، جو اُمور حسیہ میں سے ہیں، ایک دوسرے کی مدد کرنا اور باہم ایک دوسرے سے تعاون طلب کرنا جائز اور مباح ہے، جیسے جنگ کے موقع پر یا دشمن کے حملے کے وقت یا کسی درندے سے بچاؤ کے لیے ایک دوسرے کی امداد اور نصرت حاصل کرنا اور ایسے مواقع پر یا زید، یا مسلمین! کہہ کر پکارنا، یہ سب افعالِ ظاہریہ میں سے ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ یہ سمجھنا کہ دوسرے انسان کی مدد اور اس کا تعاون معنوی لحاظ سے اثر انداز ہوتا ہے اور اپنے اندر کوئی خاص قوت وتاثیر رکھتا ہے جیسے شدائد ومشکلات کا دُور ہوجانا یا کسی مریض کا صحت یاب ہوجانا یا کسی کے خوف سے نجات پا جانا یا غرق ہونے سے محفوظ رہنا یا تنگی اور فقر وفاقہ سے نجات پا جانا یا طلب رزق وغیرہ کرنا۔ یہ سب اُمور، اللہ تعالیٰ کی خصوصیات میں سے ہیں، ان کے لیے کسی غیر اللہ کے آگے دستِ طلب دراز نہیں کرنا چاہیئے''۔

علامہ رحمۃ اللہ علیہ موصوف اس سے آگے فرماتے ہیں کہ: ''یہ عقیدہ رکھنا کہ غیر اللہ کو بلیات وشدائد کو رفع

کرنے اور حاجات کے پورا ہونے میں کچھ اثر اور قدرت حاصل ہے، جیسا کہ دَور جاہلیت کے عرب کہتے تھے یا آج اس دَور کے جہال صوفیاء کا عقیدہ ہے اور وہ ان کو پکارتے بھی ہیں۔ یہ عقیدہ سراسر باطل اور منکرات میں سے ہے اور جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ غیر اللہ میں سے اللہ کے کسی نبی یا ولی یا کسی روح کو کسی کرب و مصیبت کے دور کرنے یا حاجت روائی کرنے کی طاقت حاصل ہے یا وہ کسی ضرورت کو پورا کر سکتے ہیں یا اس باب میں ان کو کوئی اثر و نفوذ حاصل ہے تو ایسا شخص جہالت کی خطرناک وادی میں گامزن ہے اور دوزخ کے کنارے کھڑا ہے۔ ان کا یہ عقیدہ رکھنا کہ ''یہ صرف کرامات ہیں'' تو اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز ہے کہ اس کے اولیاء میں اس قسم کی کوئی طاقت موجود ہو۔ یہ تو اصنام و اوثان کے پجاریوں کا عقیدہ ہے، اس کی نشاندہی خود قرآن کریم نے کی ہے کہ وہ غیر اللہ کو صرف سفارشی اور صاحب کرامت سمجھتے تھے۔ قرآن کے الفاظ یہ ہے کہ: هٰؤُلَآءِ شُفَعَآءُنَا عِنْدَاللّٰه یعنی ''یہ صرف ہمارے سفارشی ہیں'' (یونس:۱۸)۔ ''ہم تو ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ اللہ تک ہماری رسائی کرادیں''۔ (الزمر:۳)۔ کیا میں اسے چھوڑ کر دوسرے معبود بنالوں؟ حالانکہ اگر اللہ رحمٰن مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو نہ ان کی شفاعت میرے کسی کام آسکتی ہے اور نہ وہ مجھے چھڑا ہی سکتے ہیں''۔ (یٰس۔۲۳)۔

اس بناء پر کسی نبی یا ولی کو نافع اور ضار خیال کرنا، جبکہ اس کے بس کی بات نہیں، اصلی اور حقیقی شرک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی ذات میں مصیبت کو دُور کرنے کی قدرت و طاقت نہیں ہے اور نہ کسی میں نفع اور خیر پہنچانے کی قوت موثرہ موجود ہے، یہ سب طاقتیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہیں۔ باقی رہا ان کا یہ کہنا کہ یہ ابدال، نقباء، اوتاد اور نجباء وغیرہ، لوگوں کے فریادرس ہیں جو باعتبار تعداد کے ۷۷ اور ۴۴ تک پہنچتے ہیں، تو جیسا کہ صاحب ''سراج المریدین'' نے لکھا ہے، یہ ان کا اِفک اور کذب بیانی ہے۔

وَ لَاتَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَ لَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ (یونس:۱۰۶)

اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو نہ پکار جو تجھے نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان اگر تو ایسا کرے گا تو ظالموں میں سے ہوگا۔

یہاں اگرچہ خطاب خاص طور پر رسول اللہ ﷺ سے ہے لیکن عمومی طور پر پوری اُمت اس خطاب میں شامل ہے۔ علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی ذیل میں لکھتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ، آپ ﷺ سے خطاب

کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے محمد ﷺ! اپنے خالق، مالک اور معبودِ حقیقی کے علاوہ کسی صنم اور الٰہ کو نہ پکارنا کیونکہ وہ دُنیا اور آخرت میں نہ آپ کو کوئی فائدہ پہنچا سکیں اور نہ آپ کا کچھ بگاڑ سکیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ان سے کسی نفع کی توقع رکھ کر یا کسی تکلیف سے ڈر کر ان کی عبادت نہ کرنا۔ ان کے اختیار میں نہ نفع ہے اور نہ ضرر۔ اگر آپ سے بھی ایسا فعل سرزد ہو گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ ﷺ نے غیر اللہ کو پکارا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ اس مشرک گروہ میں سے ہو جائیں گے جو اپنی ذات پر ظلم کا ارتکاب کرتے ہیں''۔

زیرِ بحث آیت کریمہ کی ہم معنیٰ اور ہم مطلب بہت سی آیات ہیں۔ مثلاً: ''پس اے محمد ﷺ! اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو ورنہ تم بھی سزا پانے والوں میں شامل ہو جاؤ گے''۔ (الشعراء:۲۱۳)۔ ''اور اللہ کو سوا کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں''۔ (القصص:۸۸)۔

ان دو آیات میں اس بات کی وضاحت ہے کہ جس کو پکارا جائے گا وہ الٰہ قرار دیا جائے گا۔ اور اُلوہیت صرف اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے۔ اس میں غیر اللہ کا قطعاً کوئی حصہ نہیں ہے۔ اِسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ۔ یہی وہ توحید ہے جس کو واضح کرنے کیلئے اور لوگوں کے ذہنوں میں مرتسم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کا سلسلہ شروع فرمایا اور کتابیں نازل فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ: ''اور ان کو اسکے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کریں، اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے۔ (البینہ۔۵)۔ اس آیت کریمہ سے اور اس قسم کی دوسری آیات سے یہ مسئلہ واضح ہوا کہ غیر اللہ کو پکارنا کفر و شرک ہے۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ وَ اِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔ (یونس:۱۰۷)۔

اور اگر اللہ تجھے کسی مصیبت میں ڈالے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو اس مصیبت کو ٹال دے اور اگر وہ تیرے حق میں کسی بھلائی کا ارادہ کر لے تو اس کے فضل کو پھیرنے والا بھی کوئی نہیں ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے اور وہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ تنہا بادشاہ اور قہار ہے۔ وہی بخشش اعلیٰ کا مالک اور وہی اس کو روک دینے والا ہے وہی نفع و نقصان پر قدرت رکھتا ہے اور جب یہ سب کچھ اس کے قبضہ و قدرت میں ہے تو اسی کو پکارنا چاہیئے اور اسی کی عبادت کرنا چاہیئے کیونکہ عبادت اسی کی ہو سکتی ہے جو مالک و قہار بھی ہو اور نفع و نقصان پہنچانے والا بھی ہو۔ یہ

صفات اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی میں نہیں پائی جاتیں۔ سو ثابت ہوا کہ وہی ایک اللہ ہے جو عبادت کا سزاوار ہے، وہ نہیں جو سرے سے نفع و نقصان ہی نہیں پہنچا سکتا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَ اعْبُدُوْهُ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۔(العنکبوت:۱۷)۔

درحقیقت اللہ کے سوا جن کی تم پرستش کرتے ہو وہ تمھیں کوئی رزق بھی دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ اللہ سے رزق مانگو اور اُسی کی بندگی کرو، اُسکا شکر ادا کرو، اُسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔

وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ وَ هُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِیْنَ

آخر اس شخص سے زیادہ بہکا ہوا انسان اور کون ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہیں دے سکتے بلکہ اس سے بھی بے خبر ہیں کہ پکارنے والے ان کو پکار رہے ہیں۔ اور جب تمام انسان جمع کئے جائیں گے، اس وقت وہ اپنے پکارنے والوں کے دشمن اور اُن کی عبادت کے منکر ہوں گے۔(الاحقاف:۵تا۶)۔

اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے کہ: ''اور وہی دن ہوگا جبکہ (تمہارا رب) ان لوگوں کو بھی گھیر لائے گا اور ان کے ان معبودوں کو بھی بلا لے گا جنھیں آج یہ اللہ کو چھوڑ کر پوج رہے ہیں۔ پھر وہ ان سے پوچھے گا کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود راہ راست سے بھٹک گئے تھے؟۔ وہ عرض کریں گے کہ ''پاک ہے آپ کی ذات، ہماری تو یہ بھی مجال نہ تھی کہ آپ کے سوا کسی کو اپنا مولیٰ بنائیں مگر آپ نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو خوب سامانِ زندگی دیا حتی کہ یہ سب بھول گئے اور شامت زدہ ہو کر رہے''۔(الفرقان۔۱۷،۱۸)۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابنِ جریر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''مَنْ دُوْنِ اللہ سے انسان، فرشتے اور جن مراد ہیں جن کی یہ لوگ پوجا کرتے ہیں جیسے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام، عزیر علیہ السلام اور فرشتے وغیرہ''۔

قرآن کریم میں ہے کہ: ''اسے چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ ایک پرِ کاہ (یعنی کھجور کی گٹھلی کی جھلی) کے مالک بھی نہیں ہیں۔ انھیں پکارو تو وہ تمہاری دعائیں سن نہیں سکتے اور سن لیں تو ان کا تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے۔ حقیقت حال کی ایسی صحیح خبر

تمہیں اس خبردار کے سوا کوئی نہیں دے سکتا''۔(الفاطر۔۱۳۔۱۴)۔

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ یَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ (النمل:۶۲)۔

کون ہے جو بے قرار کی دعاء سنتا ہے جبکہ وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے اور (کون ہے جو) تمھیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی (یہ کام کرنے والا) ہے؟ تم لوگ کم ہی سوچتے ہو۔

اے محمد ﷺ! ان سے پوچھو صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں کون تمہیں خطرات سے بچاتا ہے؟ کون ہے جس سے تم مصیبت کے وقت گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعائیں مانگتے ہو۔(الانعام۔۶۳)۔

ایک جگہ پر اس کی یوں وضاحت کی کہ:''انسان کا یہ حال ہے کہ جب اس پر کوئی سخت وقت آتا ہے تو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہم کو پکارتا ہے۔انسان کو جب کوئی آفت چھو جاتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے۔انسان کبھی بھلائی کی دعاء مانگتے نہیں تھکتا۔(فصلت۔۴۹)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''دعاء عبادت کا مغز ہے''۔ایک دوسری صحیح روایت میں فرمایا گیا ہے کہ:''اللہ تعالیٰ کو یقینِ محکم سے پکارا کرو بایں معنیٰ کہ تمہاری دعاء ضرور قبول ہوگی''۔ایک روایت میں ہے کہ:''جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا اس پر وہ ناراض ہو جاتا ہے''۔ایک جگہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:''اللہ تعالیٰ کے ہاں دعاء سے زیادہ عزیز ترین کوئی چیز نہیں''۔ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:''دعا مومن کا ہتھیار، دین کا ستون اور زمین و آسمان کا نور ہے۔(الحاکم)۔ایک خطبہ میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:''ہر چیز اللہ تعالیٰ سے مانگا کرو، یہاں تک کہ اگر جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ سے مانگا کرو''۔(الحدیث)۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:''افضل ترین عبادت دعا مانگنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ''مجھ سے مانگو، میں تم سب کی دعا قبول کروں گا''۔

وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِیْنَ

اور جب تمام انسان جمع کئے جائیں گے، اس وقت وہ اپنے پکارنے والوں کے دشمن اور ان کی عبادت کے منکر ہوں گے۔

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''پوشیدہ طور سے دعا مانگنا، جہری طور پر دعا مانگنے سے ستر درجے زیادہ افضل ہے۔ دعا کے لئے مسلمان بہت کوشش کرتے تھے اور اس انداز سے دعا مانگتے تھے کہ آواز سنائی ہی نہ دیتی تھی۔ ان کی دعائیں ان کے اور ان کے رب کے درمیان راز و نیاز کی حیثیت رکھتی تھیں''۔

وروی الطبرانی باسنادہٖ اَنَّہٗ کَانَ فِیْ زَمَنَ النَّبِیِّ ﷺ مُنَافِقٌ یُؤْذِی الْمُؤْمِنِیْنَ فَقَالَ بَعْضُھُمْ قُوْمُوْا بِنَا نَسْتَغِیْثُ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ مِنْ ھٰذَا الْمُنَافِقِ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّہٗ لَا یُسْتَغَاثُ بِیْ وَ اِنَّمَا یُسْتَغَاثُ بِاللّٰہِ

طبرانی اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دورِ اقدس میں ایک منافق، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت تکلیف دیا کرتا تھا۔ چنانچہ چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے مشورہ کیا کہ چلو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس منافق سے گلو خلاصی کے لئے استغاثہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو! مجھ سے استغاثہ نہیں کیا جا سکتا، بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے استغاثہ کرنا چاہئے۔

یہ حدیث اس پر نص ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے علاوہ کسی سے بھی استغاثہ کرنا ممنوع ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے اس لفظ کے استعمال کو ممنوع قرار دیا ہے، اگرچہ آپ ﷺ اپنی زندگی میں اس کی طاقت رکھتے تھے۔ اس کراہت کی وجہ توحید کی حمایت اور نصرت تھی۔ نیز یہ کہ ذرائع شرک کے دروازے بند ہو جائیں۔ اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ادب و تواضع کا یہی تقاضا ہے۔ اس کی ایک وجہ افعال و اقوال سے اُمت کو ذرائع شرک سے ڈرانا اور محفوظ بھی ہے۔

غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں قدرت اور طاقت کے باوجود اس سے انکار فرما دیا تو آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ سے استغاثہ کیونکر صحیح قرار پا سکتا ہے؟ اور وہ اُمور جو صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہیں، کس طرح رسول اللہ ﷺ سے طلب کئے جا سکتے ہیں؟

اس قسم کے لوگ بھی اس عظیم و کریم سے استغاثہ کرنے سے اعراض کر گئے ہیں جو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ تخلیق کائنات کا سارا سلسلہ جس کے ہاتھ میں ہے اور تمام عالم میں وہ اکیلا ہی صاحب امر اور صاحب تدبیر ہے اس کے سوا نہ کوئی الٰہ ہے، نہ رب۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کریم ﷺ کی زبان اقدس سے یہ کہلواتا ہے کہ: اے محمد ﷺ! ان سے کہہ ''میں اپنی ذات کے لئے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ اللہ ہی جو کچھ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے''۔ (الاعراف: ۱۸۸)۔

سورۂ جن میں ہے: ''(پیارے پیغمبر ﷺ) کہو کہ میں تم لوگوں کے لئے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا''۔

ان لوگوں نے قرآن کریم کی ان واضح اور محکم آیات کو چھوڑ کر اپنا الگ ایک عقیدہ بنالیا ہے۔ان کی دیکھا دیکھی اور بھی بہت سی مخلوق ضلالت وگمراہی میں مبتلا ہوگئی ہے۔انہوں نے شرک باللہ کو دین اور گمراہی کو ہدایت سمجھ لیا ہے۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. یہ کتنی بڑی مصیبت ہے اور اس کا نقصان کتنا عظیم ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ اہل توحید سے دشمنی رکھتے اور ارباب تجرید کو مبداع قرار دیتے ہیں۔(فاللہ المستعان)۔

فیہ مسائل

☆ غیر اللہ کو پکارنا شرک اکبر ہے۔ ☆ اگر صلاح وتقویٰ کی معراج پر فائز شخص بھی غیر اللہ کی رضا کیلئے اس کو پکارے گا تو وہ بھی ظالموں میں سے ہوگا۔ ☆ اس کے کفر ہونے کے باوجود یہ لوگوں کو دنیا میں نفع نہیں پہنچائے گا۔ ☆ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور سے طالب رزق نہیں ہونا چاہیئے جیسا کہ اس کے سوا کسی سے طالب جنت نہیں ہونا چاہیئے۔ ☆ جو شخص غیر اللہ کو پکارتا ہے اس سے زیادہ گمراہ کوئی نہیں۔ ☆ اللہ تعالیٰ کے سوا جس کو بھی پکارا جارہا ہے وہ نہیں جانتا کہ اسے کون پکار رہا ہے۔ ☆ غیر اللہ کو پکارنا گویا مدعو کے دل میں داعی کے خلاف بغض وعداوت پیدا کرنے کے مترادف ہے۔ ☆ غیر اللہ کو پکارنا حقیقت میں اس کی عبادت کرنا ہے۔ ☆ خود غیر اللہ کا ان کی اس عبادت سے انکار کرنا۔ ☆ غیر اللہ کو پکارنا ہی گمراہی کا سبب ہے۔ ☆ سب سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ بتوں کے پجاری بھی اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ مشکلات سے نجات دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اسی بناء پر وہ مصائب ومشکلات کے وقت خالص اللہ تعالیٰ کو ہی پکارتے ہیں۔ ☆ رسول اللہ ﷺ کی حمایت کے معنیٰ توحید کی پناہ گاہ میں داخل ہونے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تادُّب کے اظہار کے ہیں۔

باب

قول اللہ تعالیٰ اَیُشْرِکُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْئًا وَّ ھُمْ یُخْلَقُوْنَ وَ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَھُمْ نَصْرًا وَّ لَا ھُمْ اَنْفُسَھُمْ یُنْصَرُوْنَ

کیسے نادان ہیں یہ لوگ کہ اُن کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو بھی پیدا نہ کرتے بلکہ خود پیدا کئے جاتے ہیں، جو نہ ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ آپ اپنی مدد ہی پر قادر ہیں۔

قول اللہ تعالیٰ اَیُشْرِکُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْئًا وَّ ھُمْ یُخْلَقُوْنَ وَ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَھُمْ نَصْرًا وَّ لَا ھُمْ اَنْفُسَھُمْ یُنْصَرُوْنَ

کیسے نادان ہیں یہ لوگ کہ اُن کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو بھی پیدا نہ کرتے بلکہ خود پیدا کئے جاتے ہیں، جو نہ اِن کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ آپ اپنی مدد ہی پر قادر ہیں۔

مفسرین کا کہنا ہے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو اس بات پر ڈانٹ پلائی ہے کہ وہ اُن کی عبادت کرتے ہیں جو کسی کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود مخلوق ہیں اور مخلوق اپنے خالق کی عبادت میں شریک نہیں گنا جا سکتا۔ غیر اللہ کی عبادت کے بطلان پر یہ آیت واضح دلیل اور برہانِ قاطع ہے۔ تمام مخلوق کی یہی حالت ہے، حتی کہ فرشتے، صالحین واولیاء اور انبیائے کرام علیہم السلام سب اللہ کے محتاج ہیں اور تو اور اشرفُ المخلوقات جناب محمد رسول اللہ ﷺ بھی مشرکین پر غلبہ اور فتح حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کرتے تھے۔

قرآن کریم میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: (ترجمہ) ''اور (لوگوں نے) اللہ کے سوا اور معبود بنا لئے ہیں جو کوئی بھی چیز پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کئے گئے ہیں اور نہ ہی اپنے نفع اور نقصان کا اختیار رکھتے ہیں۔ ان کے اختیار میں نہ موت ہے نہ حیات اور نہ قبر سے اٹھ کھڑے ہونا'' (الفرقان:۳)۔

سورۃ الاعراف میں فرمایا: (ترجمہ) ''(پیارے پیغمبر ﷺ) فرما دیجئے کہ میں اپنے فائدے اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے، اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو بہت سے فائدے جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی، میں تو مومنوں کو ڈرانے اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔ (الاعراف:۱۸۸)۔

سورۃ الجن میں فرمایا: (ترجمہ) ''(پیارے نبی ﷺ) یہ بھی فرما دیجئے کہ میں تمہارے حق میں نقصان یا ہدایت کا کچھ اختیار نہیں رکھتا یہ بھی فرما دیجئے کہ اللہ کے عذاب سے مجھے کوئی پناہ نہیں دے سکتا اور میں اس کے سوا کہیں جائے پناہ نہیں پا سکتا۔ ہاں اللہ کی طرف سے، اس کے پیغامات کا پہنچا دینا (میرے ذمہ ہے)۔

غیر اللہ کوئی بھی ہو اس کو پکارنے کے بطلان پر مندرجہ بالا آیت ثبوت کے لئے کافی ہیں۔ اگر وہ نبی یا اللہ کا نیک بندہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی ہی خالص عبادت کے شرف سے مشرف فرمایا ہے۔ اور اس کے قلب میں یہ بات راسخ کر دی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور معبود حقیقی مانے اور توحید کے اس مقام پر راضی رہے۔ پس جو شخص خود عابد و پرستار ہو وہ معبود کیسے بن سکتا ہے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو شرک سے مجتنب و گریزاں رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ (فاطر:۱۳۔۱۴)۔

اُسے چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ ایک پرکاہ (کھجور کی گٹھلی کے چھلکے) کے بھی مالک نہیں ہیں۔ انہیں پکارو تو وہ تمہاری دُعائیں سن نہیں سکتے اور سن لیں تو ان کا تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اور قیامت کے روز وہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے۔ حقیقت حال کی ایسی صحیح خبر تمہیں ایک خبردار کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء، ملائکہ اور اصنام وغیرہ کا، جن کی عبادت کی جاتی ہے، عجز اور ضعف بیان فرمایا اور بتایا کہ یہ کیوں عبادت و پرستش کے حقدار نہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ بیان فرمائی کہ یہ ان اسباب وصفات سے محروم ہیں جن کا ایک معبود میں پایا جانا ضروری ہے۔ ان اسباب میں سرفہرست مندرجہ ذیل تین اسباب ہیں: ۱۔ معبود کو مالک اور صاحب اختیار ہونا چاہیئے ۔۲۔ مدعو (معبود) کے لئے ضروری ہے کہ وہ دعاء اور آہ و بکا کرنے والے کی گریہ وزاری سنتا ہو۔ نیز؛ ۳۔ دُعا سن کر اس کو قبول کرنے کی قدرت و طاقت بھی رکھتا ہو۔ ان تین شروط میں سے اگر ایک بھی کم ہو تو ان کی دعوت باطل ہو جاتی ہے۔ کجا یہ کہ تینوں ناپید ہوں۔ غیر اللہ کی عدم ملکیت مندرجہ ذیل آیات سے عیاں ہوتی ہے: (ترجمہ) ''یہ لوگ اللہ کریم کے سوا ایسوں کو پوجتے ہیں جو اِن کو آسمانوں اور زمین میں روزی دینے کا ذرا بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ کسی دوسری چیز کی طاقت رکھتے ہیں''۔ (النحل:۷۳)۔ (ترجمہ) ''فرما دیجئے کہ جن کو تم اللہ کے سوا معبود خیال کرتے ہو اِن کو بلاؤ وہ آسمانوں اور زمین میں ذرہ بھر چیز کے بھی مالک نہیں ہیں اور نہ ان میں ان کی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے''۔ (سبا:۲۲)۔

جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ یہ لوگ پکارنے والے کی پکار کو نہیں سن پاتے، اس کی وضاحت اس آیت میں ہے: اِنْ تَدْعُوْا لَا یَسْمَعُوْا دُعَاءَ کُمْ یعنی یہ جن کو پکارتے ہیں یا تو وہ زندگی سے محروم ہیں اور یا پھر ان کی نظروں سے اوجھل اور غائب ہیں اور اُن فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہیں جو اُن پر اللہ کی طرف سے عائد کئے گئے ہیں، جو زندگی سے محروم ہیں، وہ یوں ان کی پکار سننے سے قاصر ہیں اور جو زندہ ہیں، جیسے فرشتے، وہ اپنے فرائض میں مصروف ہونے کی وجہ سے اِدھر ملتفت نہیں ہو سکتے۔ اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ اگر یہ ان کی پکار سن بھی لیں تو: مَا اسْتَجَابُوْ الَکُمْ ''تو وہ تمہیں جواب بھی نہ دے سکیں گے''۔ کیونکہ جواب دینا ان کے بس کی بات نہیں۔ اور پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے کسی کو بھی اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ کسی کی پکار اور دعاء کا جواب دے نہ براہِ راست اور نہ کسی اور واسطے اور ذریعے سے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(ترجمہ) ''اس شخص سے بڑھ کر اور کون گمراہ ہو سکتا ہے جو ایسے کو پکارے جو قیامت تک اُسے جواب نہ دے سکے اور ان کو ان کے پکارنے ہی کی خبر نہ ہو اور جب لوگ جمع کئے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی پرستش سے انکار کر دیں گے''۔ (الاحقاف: ۵ تا ۶)۔

و فی الصحیح عن انس رضی اللہ عنہ قال شُجَّ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم یَوْمَ اُحُدٍ کُسِرَتْ رَبَاعِیَّتُہٗ

.....

صحیح بخاری میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ اُحد میں زخمی کر دیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے دو دانت شہید کر دیئے گئے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسی قوم کیسے کامیاب ہو گی جس نے اپنے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زخمی کر دیا ہے؟ اس پر آیت نازل ہوئی کہ ''(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) فیصلہ کے اِختیارات میں تمہارا کوئی حصہ نہیں''۔

عتبہ بن ابی وقاص الیمنی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت شہید کئے تھے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نچلا جبڑا بھی زخمی ہو گیا تھا اور عبداللہ بن شہاب الزہری نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کو زخمی کر دیا تھا۔ عبداللہ بن قمئہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار کو زخمی کیا تھا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خود کے دو حلقے رخسار مبارک میں دھنس گئے اور خون بہنے لگا۔ مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر خون کو چوس کر نگل لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (ترجمہ) ''اے مالک (رضی اللہ عنہ) تجھے جہنم کی آگ ہرگز نہ چھو سکے گی۔

رسول اللہ ﷺ کے دانت ٹوٹنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ بالکل جڑ سے اکھڑ کر باہر گر پڑے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ دانت کا کچھ حصے ٹوٹ گیا تھا۔ اس واقعہ سے پتلا چلا کہ انبیاء علیہم السلام کو ابتلا و آزمائش کی کٹھن وادی سے گزرنا پڑا تا کہ وہ ان کے اجر میں اضافہ اور بلندیٔ درجات کا سبب بنیں۔ اس لئے بھی ان کو شدید مشکلات سے دوچار ہونا پڑا کہ ان کے ماننے والے ان کی زندگی سے سبق حاصل کریں۔ ان کی مشکلات کو سامنے رکھ کر اپنی مشکلات کا اندازہ لگائیں اور اپنے آپ کو مشکلات کا عادی بنائیں کہ اس کے بغیر منزل مقصود تک پہنچنا ممکن نہیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ''انبیاء علیہم السلام کے لئے دنیا میں مصائب و مشکلات سے گزرنا اس لئے بھی ضروری تھا تا کہ لوگ یہ جان لیں کہ انبیاء علیہم السلام بھی عالم انسانوں کی طرح ہی ہوتے ہیں اور ان کو بھی اچانک تکالیف سے دوچار ہونا پڑتا ہے جس طرح کہ عام انسان کو، تا کہ لوگوں کو اس بات کا علم اور یقین ہو جائے کہ انبیاء مافوق الفطرت مخلوق نہیں ہوتے بلکہ بشر اور مخلوقِ رب ہی ہوتے ہیں، اور وہ مافوق الفطرت معجزات و واقعات جو ان سے ظہور پذیر ہوتے ہیں ان کی وجہ سے لوگ شیطانی وساوس کی گرفت میں نہ آئیں جیسا کہ ابلیس نے یہود و نصاریٰ کو اس میں مبتلا کر دیا تھا''۔

ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''جب رسول اللہ ﷺ زخمی ہو گئے اور تکلیف محسوس ہونے لگی تو کفارِ قریش کی فلاح و کامرانی سے مایوس ہو گئے اور زبان مبارک سے یہ الفاظ نکل گئے کہ: ''كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ .....'' اسی مایوسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے پیغمبر ﷺ مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، انجام کار میرے ہاتھ میں ہے نہ کہ آپ ﷺ کے قبضے میں۔ اس لئے جو کام آپ ﷺ کے ذمے ہے اُسے ادا کرتے رہے اور دعا مانگتے رہیئے''۔

و فيه عن ابن عمر رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ اِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ فِي الرَّكْعَةِ الْاٰخِيْرَةِ مِنَ الْفَجْرِ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَّ فُلَانًا بَعْدَ مَا يَقُوْلُ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَ لَكَ الْحَمْدُ فَاَنْزَلَ اللهُ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ الاية

صحیح بخاری ہی میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نمازِ فجر کی دوسری رکعت میں (جب آپ ﷺ رکوع سے کھڑے ہوئے اور سمع اللہ لمن حمدہ کہا) یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اے اللہ! فلاں اور فلاں شخص پر لعنت فرما''۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ''(اے پیغمبر ﷺ) فیصلہ کے

اختیارات میں تمہارا کوئی حصہ نہیں''۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''جنگ اُحد میں جب آپ ﷺ زخمی ہو گئے اور دانت مبارک شہید ہو گئے تو آپ ﷺ نے مشرکین کے لئے بددعا کی: ''اَللّٰھُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَّ فُلَانًا'' (ترجمہ: اے اللہ فلاں اور فلاں پر لعنت فرما)۔

لعنت کا یہاں اصل مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! ان کو اپنی رحمتوں سے دُور رکھ۔ یہی لفظ جب انسان، انسان کے بارے میں استعمال کرتا ہے تو اس کا مطلب گالی دینا ہوتا ہے۔

و فی روایۃ یَدْعُوْ عَلٰی صَفْوَانَ بْنَ اُمَیَّۃَ وَ سُھَیْلَ بْنَ عَمْرٍو وَ الْحَارِثَ بْنَ ھِشَامٍ فَنَزَلَتْ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْئٌ

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام پر بددعا کرتے تھے تب یہ آیت نازل ہوئی کہ ''(اے پیغمبر!) فیصلے کے اختیارات میں تمہارا کوئی حصہ نہیں''۔

جنگ اُحد میں لشکر کفار کے سرکردہ ابوسفیان بن حرب، صفون بن اُمیہ، سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام ہی تھے۔ ان کے لئے رسول اکرم ﷺ کی بددعا کو اللہ تعالیٰ نے قبول نہیں فرمایا بلکہ اس کے برعکس یہ آیت نازل فرمائی کہ: (ترجمہ) ''اس حکم میں تیرا کوئی اختیار نہیں، اللہ چاہے تو ان کی طرف رحمت لائے یا ان کو عذاب کرے''۔ چنانچہ جنگ اُحد کے بعد یہ چاروں افراد اسلام کی دولت سے بہرہ مند ہو گئے تھے، اور ان کا اسلام لانا ان کے لئے نفع بخش ثابت ہوا۔

قبروں کے پجاریوں کے عقائد کی تردید میں یہ واقعہ اپنے اندر زبردست حجت اور برہان رکھتا ہے اور واضح کرتا ہے کہ انبیاء و صلحاء اور اولیاء اللہ کو پکارنے والے اور ان کے نام سے اعانت حاصل کرنے والوں کو وہ نہ تو کسی قسم کا کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ فائدہ دے سکتے ہیں۔

وفیہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ حِیْنَ اُنْزِلَ عَلَیْہِ وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ فَقَالَ یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ اَوْ کَلِمَۃً نَحْوَھَا اِشْتَرُوْا اَنْفُسَکُمْ لَا اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا یَا عَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا اُغْنِیْ عَنْکَ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا یَا صَفِیَّۃَ عَمَّۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَا اُغْنِیْ عَنْکِ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا وَ یَا فَاطِمَۃَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِیْنِیْ مِنْ مَّالِیْ مَا شِئْتِ لَا اُغْنِیْ عَنْکِ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا

صحیح بخاری میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ''اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے'' تو رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر فرمایا: ''اے قریش کی جماعت! اپنی جانوں کو بچاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہ آؤں گا۔ اے چچا عباس بن عبدالمطلب! اے پھوپھی صفیہ رضی اللہ عنہا! اپنی جانوں کو بچالو، میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے کسی کام نہ آؤں گا۔ اے میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا! میرے مال میں سے جو چاہے مانگ لے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں تیرے کام نہ آؤں گا''۔

قولہ: اِشْتَرُوْا اَنْفُسَكُمْ: کا مطلب یہ ہے کہ: توحید کا اقرار کرے، عبادت میں دولت خلوص سے مالا مال ہو کر، شرک سے اجتناب کر کے، اس کے حکموں کو مان کر اور اس کی منع کی ہوئی اشیاء سے رُک کر اپنے آپ کو عذابِ الٰہی سے بچالو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجاب حاصل کرنے کا ذریعہ ان ہی احکام پر عمل پیرا ہونا ہے۔ حسب ونسب پر اعتماد کسی کام نہ آئے گا۔ اس کو اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی وقعت حاصل نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے اِس ارشادِ گرامی میں ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو انبیاء وصالحین کے فوت ہو جانے کے بعد اُن سے مصائب ومشکلات میں امداد کے متمنی ہوتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ان کی سفارش کرتے ہیں، ان کو نفع پہنچاتے ہیں یا ان کی تکالیف کو دور کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہی وہ شرک ہے جس کی وضاحت کی غرض سے اور جس کے انجام بد سے آگاہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے پوری وضاحت سے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اگر کوئی چیز بچاسکتی ہے تو وہ صرف ایمان باللہ اور عمل صالح ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی شے ذریعہ نجات نہیں بن سکتی۔

جب رسولِ اکرم ﷺ اپنی پیاری بیٹی، اپنی لختِ جگر، اپنے مہربان چچا، اپنی پھوپھی اور اپنے عزیز ترین رشتہ داروں کو نفع نہیں پہنچاسکتے تو ان کے علاوہ دوسرے افرادِ اُمت کی کیا حیثیت اور وقعت باقی رہ جاتی ہے؟ خصوصاً آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کے واقعہ میں تو اہل بصیرت اور عقلمندوں کے لئے بڑی عبرت اور نصیحت کا سامان پنہاں ہے۔

ان لوگوں پر سخت افسوس ہوتا ہے جو مردوں کے پاس اپنی حاجات اور مشکلات لے جاتے ہیں اور ان کے مشاہد وقبور پر اُمید وخوف کے ملے جلے جذبات سے کامل توجہ اور انکساری کے ساتھ حاضری دیتے ہیں

حالانکہ وہ خود اتنے عاجز اور درماندہ ہیں کہ اپنی جان کے لئے بھی نفع مند ثابت نہیں ہو سکتے اور نہ اپنی تکالیف ہی کو از خود دور کر سکتے ہیں۔ اس صورت میں بھلا دوسروں کے کام کس طرح پورے کر سکتے ہیں؟

فیہ مسائل

☆ سید الانبیاء ﷺ کا قنوتِ نازلہ پڑھنا اور آپ ﷺ کے پیچھے سادات الاولیاء یعنی صحابہ کا آمین کہنا۔ ☆ جن کے لئے بددعا کی گئی تھی وہ کافر تھے۔ ☆ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وہ سلوک کیا جو دوسرے کفار نے نہیں کیا جیسے رسول اللہ ﷺ کو زخمی کرنا، آپ ﷺ کے قتل پر آمادہ اور کوشاں ہونا، مسلمان شہداء کا مثلہ کرنا۔ اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ پر ظلم ڈھانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی حالانکہ یہ لوگ آپ ﷺ کے قریبی رشتہ دار تھے اور بعض تو آپ ﷺ کے چچیرے بھائی تھے۔ اِس قدر قریبی رشتے کی بھی اُنہوں نے کوئی پرواہ نہ کی۔ ☆ ان مظالم کے باوجود اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ ان کا انجام کار آپ ﷺ کے قبضہ وقدرت میں نہیں۔ ☆ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ''ان کی توبہ قبول کرلے یا اُن کو عذاب دے''۔ چنانچہ اللہ کریم نے ان کی توبہ قبول کی اور وہ ایمان لے آئے۔ ☆ نزول حوادث کے موقع پر دُعائے قنوت پڑھنا۔ ☆ جن کے لئے بددعا کی جارہی ہو اُن کے اور اُن کے آباء واجداد کے نام نماز میں لینا۔ ☆ قنوت میں کسی خاص شخص کا نام لے کر لعنت کرنا۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ ''اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیے'' تو آپ ﷺ کا ایک ایک کو پکار کر عذابِ الٰہی سے ڈرانے کا واقعہ۔ ☆ جب رسول اللہ ﷺ نے دعوتِ توحید سنائی تو آپ ﷺ کو مجنون جیسے لقب سے پکارا جانا۔ آج بھی اگر کوئی شخص دعوتِ توحید دے تو اُس کو بھی ایسے ہی القاب سے پکارا جاتا ہے۔ ☆ رسول اللہ ﷺ کا قریبی اور غیر قریبی سب کو علی الاعلان یہ فرمانا کہ میں تم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی فرمایا کہ میں تم کو بھی عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکوں گا۔ سید المرسلین کا سیدۃ نساءِ العالمین فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اس صراحت سے کہنا کہ میں تم کو اللہ کے عذاب سے محفوظ نہ رکھ سکوں گا، انسان کا یہ ایمان اور یقین کہ رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے سوائے حق کے دوسری بات نہیں نکلتی۔ مندرجہ بالا صراحت کی روشنی میں آج کے حالات پر بھی غور کیجئے کہ جس میں صرف عوام ہی نہیں بلکہ بعض خواص بھی مبتلا ہیں تو آپ کو صحیح توحید صاف طور پر معلوم ہوگی اور دین کی بے بسی بھی واضح ہو جائے گی۔

باب

قول اللہ تعالیٰ حَتّٰی اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَا ذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَ هُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ

جب گھبراہٹ اُن کے دلوں سے دور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا حکم دیا ہے؟ اس پر مقربین کہتے ہیں کہ جو حکم دینا چاہیئے تھا وہی دیا ہے۔ اور وہ عالی شان اور سب سے بڑا ہے۔

قول اللہ تعالیٰ حَتّٰی اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَا ذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَ هُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ (سبا:۲۳)

جب گھبراہٹ اُن کے دلوں سے دور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا حکم دیا ہے؟ اس پر مقربین کہتے ہیں کہ جو حکم دینا چاہیئے تھا وہی دیا ہے۔ اور وہ عالی شان اور سب سے بڑا ہے۔

ابو حیان رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تفسیر ''البحر المحیط'' میں رقمطراز ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اس بارے میں واضح ہیں کہ اس آیت کریمہ میں ''مقربین'' سے مراد فرشتے ہی ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ جبرائیل علیہ السلام کی طرف وحی کرتے ہیں تو تمام فرشتے ایک آواز سنتے ہیں، جیسے کسی نے پتھر پر لوہے کو دے مارا ہو تو اس آواز کی دہشت، خوف اور ہیبت سے اُن پر غشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے''۔

ہوش میں آنے کے بعد ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ پھر خود ہی ایک

دوسرے سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ برحق ہے۔

قولہ: وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ: یہاں مراد بلندیٔ قدر و منزلت، بلندیٔ قہر و اختیار اور بلندیٔ ذات ہے۔ غرض ہر قسم کی کامل ترین بلندیاں اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کے لئے خاص ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ سے جب سوال کیا گیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی معرفت کیسے حاصل کریں؟ تو فرمایا: اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوقات سے جدا (بائن) عرش پر استوا پذیر مانیں''۔ اس عقیدہ کو قرآن کریم سے ماخوذ اور اللہ کی طرف سے تعلیم کردہ خیال کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (طہٰ:۵) ''رحمٰن عرش پر استوا پذیر ہوا۔ اسی طرح فرمایا: ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (الفرقان:۵۹)۔ ''پھر وہ (اللہ) عرش پر استوا پذیر ہوا''۔ اللہ تعالیٰ کا عرش پر استوا پذیر ہونا قرآن کریم میں تقریباً سات مقامات پر آتا ہے۔

قولہ: اَلْكَبِيْرُ: یعنی اللہ تعالیٰ سے نہ تو کوئی بڑا ہے اور نہ کوئی اعظم ہے۔ تبارک وتعالیٰ۔

فی الصحیح عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِذَا قَضَى اللّٰهُ الْاَمْرَ فِي السَّمَاءِ ضَرَبَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ بِاَجْنِحَتِهَا اِذْعَانًا لِقَوْلِهٖ كَاَنَّهٗ سِلْسِلَةٌ عَلٰى صَفْوَانٍ يَنْفُذُهُمْ ذٰلِكَ حَتّٰى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَا ذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ فَيَسْمَعُهَا مُسْتَرِقُ السَّمْعِ وَ مُسْتَرِقُ السَّمْعِ هٰكَذَا بَعْضُهٗ فَوْقَ بَعْضٍ وَ صَفَهٗ سُفْيَانُ بِكَفِّهٖ فَحَرَّفَهَا وَ بَدَّدَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ فَيَسْمَعُ الْكَلِمَةَ فَيُلْقِيْهَا اِلٰى مَنْ تَحْتَهٗ ثُمَّ يُلْقِيْهَا الْاٰخَرُ اِلٰى مَنْ تَحْتَهٗ حَتّٰى يُلْقِيَهَا عَلٰى لِسَانِ السَّاحِرِ اَوِ الْكَاهِنِ فَرُبَمَا اَدْرَكَهُ الشِّهَابُ قَبْلَ اَنْ يُّلْقِيَهَا وَ رُبَمَا اَلْقَاهَا قَبْلَ اَنْ يُّدْرِكَهٗ فَيَكْذِبُ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ فَيُقَالُ اَلَيْسَ قَدْ قَالَ لَنَا يَوْمَ كَذَا وَ كَذَا كَذَا وَ كَذَا فَيَصَدَّقُ بِتِلْكَ الْكَلِمَةِ الَّتِيْ سُمِعَتْ مِنَ السَّمَاءِ

صحیح بخاری میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی بات کا فیصلہ صادر فرماتا اور حکم دیتا ہے تو مارے ڈر اور خوف کے فرشتے اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی بنا پر اپنے پروں کو پھڑ پھڑانے لگتے ہیں اور اللہ کے کلام کی آواز ایسی واضح اور زوردار ہوتی ہے جیسے صاف اور نرم پتھر سے لوہے کی زنجیر ٹکرائے یہ آواز ان فرشتوں کے دلوں میں اُتر جاتی ہے۔ جب ان کو گھبراہٹ اور غشی سے افاقہ ہوتا ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا؟ جواب

دیتے ہیں جو کچھ فرمایا وہ حق ہی ہے اور وہ صاحب علو ہے۔ چنانچہ اس کلامِ ربانی کو شیطان چوری چھپے سننے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ صف بصف زمین سے آسمان تک اوپر تلے سننے پر آمادہ رہتے ہیں۔ (رائ حدیث) سیدنا سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے شیاطین کے صف بصف اوپر تلے ہونے کی حالت کو اپنا ہاتھ ٹیڑھا کر کے اور اُنگلیوں میں فاصلہ دے کر بتایا کہ اس طرح کھڑے ہوتے ہیں۔ جب سب سے اُوپر والا شیطان کوئی بات سنتا ہے تو وہ اپنے سے نیچے والے کو بتاتا ہے اور وہ اپنے سے نیچے والے کو بتاتا ہے یہاں تک کہ وہ ساحر یا کاہن کو بتا دیتا ہے۔ پس کاہن کو بتانے سے پہلے ہی شہاب اُس کو جلا دیتا ہے اور کبھی بات بتانے کے بعد اس پر آ کر گرتا ہے۔ پس شیطان ایک بات کے ساتھ سو جھوٹ ملاتا ہے۔ اگر کوئی بات ہو جائے تو کہا جاتا ہے کہ فلاں روز فلاں کاہن نے یوں ہی نہ کہا تھا چنانچہ صرف ایک سچی بات جو آسمان سے سنی گئی تھی، کی وجہ سے کاہن کو سمجھا جاتا ہے

مزید سمجھنے کے لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو مرفوع روایت نقل کی ہے اس پر غور کیجئے تو بات صاف ہو جائے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: (ترجمہ) ''فرشتے بادلوں میں نازل ہوتے ہیں اور جو فیصلہ آسمان میں ہوتا ہے اُس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ چنانچہ اس آواز کو شیاطین چوری چھپے سن لیتے ہیں اور کاہنوں تک پہنچا دیتے ہیں''۔

شہاب سے مراد وہ ٹوٹا ہوا ستارہ ہے جو شیاطین پر پھینکا جاتا ہے یعنی کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ شہاب سننے والے شیطان کو جلا دیتا ہے۔ پتہ چلا کہ اگر کسی کی باتوں میں ایک آدھ بات سچی اور صحیح ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس کی سب کی سب باتیں سچی ہوں گی۔ کیونکہ گمراہ اور بدعتی لوگوں کا شیوہ ہی یہ ہوتا ہے کہ ایک بات صحیح اور اس کے ساتھ کئی جھوٹی، غلط اور بے بنیاد باتیں ملا کر عوام کو دھوکے اور فریب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ صحیح بات صرف اس لئے کہتے ہیں کہ سادہ لوح عوام ان کی جھوٹی باتوں کے فریب میں پھنس جائیں۔

و عن النواس بن سمعان رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنْ یُّوْحِیَ بِالْاَمْرِ تَکَلَّمَ بِالْوَحْیِ اَخَذَتِ السَّمٰوٰتُ مِنْہُ رَجْفَۃً اَوْ قَالَ رَعْدَۃً خَوْفًا مِّنَ اللّٰہِ تَعَالٰی فَاِذَا سَمِعَ ذٰلِکَ اَھْلُ السَّمٰوٰت صُعِقُوْا وَ خَرُّوْا لِلّٰہِ سُجَّدًا فَیَکُوْنُ اَوَّلَ مَنْ یَّرْفَعُ رَاْسَہٗ جِبْرِیْلُ فَیُکَلِّمُہُ اللّٰہُ مِنْ وَحْیِہٖ بِمَا اَرَادَ ثُمَّ یَمُرُّ جِبْرِیْلُ عَلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ کُلَّمَا مَرَّ بِسَمَآءٍ سَاَلَہٗ مَلٰٓئِکَتُھَا مَا ذَا قَالَ رَبُّنَا یَا جِبْرِیْلُ فَیَقُوْلُ جِبْرِیْلُ قَالَ الْحَقَّ وَ ھُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ

سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب وحی کرنا چاہتا ہے تو اُس حکم سے کلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی آواز سنتے ہی تمام آسمانوں پر اللہ کے خوف سے کپکپی اور دہشت طاری ہو جاتی ہے۔ پھر جب اسے آسمان والے سنتے ہیں تو بیہوش ہو کر سجدے میں گر پڑتے ہیں پس سب سے پہلے جبریل علیہ السلام سر اٹھاتے ہیں اور جن سے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے گفتگو فرماتا ہے۔ جس آسمان سے جبریل علیہ السلام فرشتوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہ دریافت کرتے ہیں کہ ہمارے رب تعالیٰ نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ جبریل علیہ السلام جواب دیتے ہیں کہ حق ہی فرمایا ہے اور وہی صاحب علو (بلندی و بڑائی) ہے۔

یہ حدیث منکرین نطق (یعنی اللہ تعالیٰ کو بولنے والا نہ ماننے والوں) پر اہل سنت کی طرف سے دلیل اور برہانِ قاطع ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: لَمْ یَزَلِ اللّٰہُ مُتَکَلِّمًا اِذَا شَآءَ ''اللہ تعالیٰ ازل سے صفتِ کلام سے متصف رہا ہے، اُس نے جب چاہا تکلم فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ آسمان اللہ کے کلام کو سنتے ہیں، اس سلسلے میں ابن ابی حاتم نے سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے وہ منکرین کے عقائدِ باطلہ پر ایک ضرب کی حیثیت رکھتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: (ترجمہ) ''جب اللہ تعالیٰ کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو اس سے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر ایک زلزلہ کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور تمام فرشتے سجدہ میں گر جاتے ہیں''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی سے یہ بات ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں احاس اور معرفت کا ملکہ پیدا کر دیا ہے، تبھی تو وہ اللہ تعالیٰ سے خوف کھاتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ یہ عظیم مخلوق بھی اس کی تسبیح وتہلیل کہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ترجمہ) ''ساتوں آسمان اور زمینیں اور اُن کے رہنے والے سب اسی کی تسبیح بیان کرتے ہیں، اور کوئی چیز نہیں مگر اُس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم اُن کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ بیشک وہ بردبار (اور) غفار ہے''۔

مسند امام احمد میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک صحیح روایت یوں منقول ہے: (ترجمہ) ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل کو اُس کی اپنی صورت میں دیکھا کہ اُس کے پر چھ سو تھے اور ہر ایک پر آسمان کے کناروں تک پھیلا ہوا تھا (خوف اور ڈر کی وجہ سے) اُس کے پیروں سے موتی اور یاقوت گر رہے تھے جن کی تعداد کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

اس حدیث پر غور کیجئے کہ جب اللہ تعالیٰ کی مخلوق اتنی بڑی ہو سکتی ہے تو اُس خالق کائنات کی عظمت،

جلالت اور کبریائی کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟

سب سے اہم مسئلہ جس پر غور وفکر کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ اس خالق کائنات کے علاوہ کون ہے جس کی عبادت کی جائے، جس سے دُعا کی جائے، جس سے ڈرا اور خوف کھایا جائے اور کون ہے جس پر بھروسہ کیا جائے اور اُس سے اُمیدیں وابستہ کی جائیں اور ان عبادات کے علاوہ دوسری عبادات می اللہ کے سوا کون مستحق ہے؟ فرشتوں کی حالت اور ان کے خوف ودہشت پر ایک نظر ڈالیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کس قدر لرزہ براندام ہیں۔ ان کی حالت کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے: (ترجمہ) ''بلکہ وہ (فرشتے) اُس کے صاحب عزت بندے ہیں۔ اسکے آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے اور اسی کے حکم پر عمل پیرا رہتے ہیں جو کچھ ان سے پہلے ہو چکا اور جو کچھ اب ہوگا وہ سب سے آگاہ اور واقف ہے اور وہ کسی کی سفارش نہیں کر سکتے مگر اُس شخص کی جس سے اللہ خوش ہو اور وہ اُس کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور جو بھی ان میں سے یہ کہے کہ اللہ کے بعد میں بھی معبود ہوں تو اسے ہم دوزخ کی سزا دیں گے اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں''۔ (الانبیاء:۲۶تا۲۹)

اس باب میں جن آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ ﷺ کا ذکر کیا گیا ہے، یہ اُس توحید کی وضاحت اور توضیح کرتی ہیں جس کا بیان کلمہ لاَ اِلٰہ اِلاَّ اللہ میں ہے کیونکہ وہ ملک عظیم جس کے کلام کو سن کر فرشتے خوف و دہشت سے غش کھا کر گر پڑتے ہیں اور تمام مخلوقات اس سے گھبراتی اور کانپتی ہیں اور وہ ذاتِ اقدس ہے جو اپنی صفات، اپنے علم، اپنی قدرت، اپنی بادشاہت، اپنی عظمت وشرف اور بے نیازی میں تمام مخلوقات سے کامل واکمل ہے اور ساری کائنات اس کی محتاج ہے اور اس کے فیصلے، اس کا تصرف اور اس کی تقدیر مخلوقات میں نافذ اور جاری وساری ہیں کیونکہ وہ علیم وحکیم ہے۔ پس ایسی باکمال ذاتِ کبریا کے ساتھ کسی کو اس کی عبادت میں شریک ٹھہرانا شرعاً یا عقلاً کسی لحاظ سے بھی درست نہیں۔ جو خود پرورش یافتہ ہو، اُسے پرورش کنندہ کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ اور جو خود عابد ہو، اُسے معبود کیونکر مانا جاسکتا ہے؟ ان کی عقلیں کہاں چلی گئی ہیں اور ان کی قوتِ فہم کیوں سلب ہوگئی ہے؟ تعجب ہے کہ یہ موٹی موٹی باتیں ان کی سمجھ میں نہیں آتیں؟ سبحان اللہ عما یشرکون۔ اللہ تعالیٰ تو صاف اور کھلے الفاظ میں فرماتا ہے: (ترجمہ) تمام شخص جو زمین وآسمان میں ہیں، سب اللہ کے رُوبرو غلامانہ حیثیت سے آئیں گے اُس نے ان کو گھیر رکھا اور شمار کر رکھا ہے اور سب قیامت کے دِن ان کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے۔ (مریم:۹۳تا۹۵)۔

پس بلا استثناء جب تمام کائنات اللہ تعالیٰ کی غلام اور عبید ہے تو بغیر کسی دلیل وحجت کے ایک دوسرے کی

عبادت کیوں کرتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ صرف اپنی رائے کی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں اور اختراعات اور من گھڑت اُمور میں مبتلا ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اوّل سے آخر تک تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو صرف اس لئے مبعوث فرمایا کہ وہ لوگوں کو شرک سے بچنے کی تلقین کریں اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کی عبادت سے منع کریں، اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی اطاعت میں ایسا ہی کیا۔

فیہ مسائل

☆ آیت ''حتی اذا فزع'' ابطالِ شرک پر دلیل ہے، خصوصاً اُس شرک پر جس کا تعلق صلحائے اُمت سے ہے، جو انسان کے دل سے شرکیہ عقائد کی جڑیں کاٹتی ہے۔ ☆ فرشتوں کے سوال کرنے کا سبب اور وجہ۔ ☆ فرشتوں کے سوال کے بعد جبریل علیہ السلام ان کو جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ یہ ارشادات فرمائے ہیں۔ ☆ اس بات کی وضاحت کہ غشی کے بعد سب سے پہلے جبریل علیہ السلام اپنا سر اٹھاتے ہیں۔ ☆ چونکہ ہر آسمان کے فرشتے جبریل علیہ السلام سے سوال کرتے ہیں لہٰذا وہ سب کو جواب دیتے ہیں۔ ☆ بیہوشی اور غشی تمام آسمانوں کے فرشتوں پر طاری ہوجاتی ہے۔ ☆ اللہ تعالیٰ کے کلام سے آسمانوں کا لرزنا۔ ☆ وحی الٰہی کو صرف جبریل علیہ السلام جہاں اللہ تعالیٰ اس کو حکم دیتا ہے، منزلِ مقصود تک پہنچاتا ہے۔ ☆ شیاطین کے چوری چھپے کلامِ الٰہی کو سننے کا ذکر۔ ☆ شیاطین کے صف بہ صف ایک دوسرے کے اوپر تلے کھڑے ہونے کی صورت اور کیفیت۔ ☆ شیاطین پر شہاب کا گرنا۔ ☆ بعض اوقات شیاطین کے سننے سے پہلے ہی شہاب اُن کو خاکستر بنا دیتا ہے اور بعض اوقات وہ سننے میں کامیاب ہوجاتے ہیں اور اپنے گلے بندھوں کے کانوں میں جا کر ڈال دیتے ہیں۔ ☆ بعض اوقات کاہن بھی ٹھیک ٹھیک بات بتا دیتا ہے۔ ☆ کاہن اگر ایک بات صحیح بتاتا ہے تو اُس کے ساتھ سو جھوٹ بھی ملا دیتا ہے۔ ☆ کاہن کے جھوٹ کو لوگ صرف اس لئے تسلیم کر لیتے ہیں کہ اُس نے ایک سچی بات بھی تو کہی تھی اور وہ بھی آسمان سے سنی گئی تھی۔ ☆ نفوس انسانی باطل کو بہت جلد قبول کر لیتے ہیں۔ غور کیجئے کہ انسان کاہن کی صرف ایک سچی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے اُسے سچا تسلیم کر لیتا ہے لیکن اس کے سو جھوٹ کی کیوں پرواہ نہیں کرتا؟۔ ☆ شیاطین ایک دوسرے سے سن کر اُسے یاد کر لیتے ہیں اور اس سے بعض دوسرے جھوٹوں کے صحیح ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ ☆ اللہ تعالیٰ کی صفات کا اثبات، اشاعرہ و معطلہ (فرقے) اس کو نہیں مانتے۔ ☆ یہ دہشت اور غشی اللہ تعالیٰ کے خوف سے طاری ہوتی ہے۔ ☆ تمام فرشتے

اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدے میں گر جاتے ہیں۔

باب الشفاعۃ

اس باب میں بیان کیا گیا ہے کہ سفارِش کی دو قسمیں ہیں۔ایک سفارش وہ ہے جو قرآن کریم سے ثابت ہے اور دوسری سفارِش وہ ہے جس کے قائل مشرک ہیں۔

قولہ وَ اَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّ لَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ (انعام:۵۱)۔

اور اے محمد (ﷺ) تم اسِ (علم وحی) کے ذریعہ سے اُن لوگوں کو نصیحت کرو جو اِس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے سامنے کبھی اس حال میں پیش کئے جائیں گے کہ اُس کے سوا وہاں کوئی (ایسا ذی اقتدار) نہ ہوگا جو ان کا حامی اور مددگار ہو یا ان کی سفارش کرے شاید کہ (اس نصیحت سے متنبہ ہوکر) وہ خوفِ الٰہی کی روش اختیار کرلیں''۔

قولہ تعالیٰ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا

کہو شفاعت ساری کی ساری اللہ کے اختیار میں ہے۔

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تفسیر میں فرماتے ہیں: ''مشرکین جن لوگوں کو اپنا شفاعت کنندہ سمجھتے ہیں اُن کے بارے میں ان کی رائے یہ ہے کہ چونکہ یہ مقرب اور برگزیدہ ہیں اس لئے یہ ہماری شفاعت کریں گے۔قرآن مجید نے یہ کہہ کر کہ سفارش کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے اس عقیدہ کی تردید کی ہے''۔

مفسر قرآن علامہ ابن جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''مشرکین نے یہ کہا کہ ہم کسی وثن اور صنم کی قطعاً پوجا نہیں کرتے ہم تو ان اولیائے کرام کے نام کی نذر و نیاز صرف اس لئے دیتے ہیں تاکہ یہ لوگ ہم گنہگاروں کے لئے قربِ الٰہی کا ذریعہ اور وسیلہ بن جائیں۔اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: (ترجمہ)

''زمین وآسمان کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے اور پھر اسی کی طرف لوٹنا ہے''۔یعنی سفارش بھی اُسی کی ہوگی جس کے قبضہ وقدرت کے دائرے آسمان وزمین تک وسعت پذیر ہیں''۔

قولہ تعالیٰ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ

کون ہے جواُس کی جناب میں اُس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟

اس آیت کریمہ میں اُس شفاعت کا ذکر ہے جو میدانِ محشر میں اللہ تعالیٰ کی اجازت اور اس کے حکم سے کی جائے گی۔اس سلسلے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: (ترجمہ) اُس روز سفارش کچھ فائدہ مند نہ ہوگی مگر اُس شخص کی جس کو اللہ تعالیٰ اجازت دے دے، اور اس کی بات کو پسند فرمالے''۔اس سے پتہ چلا کہ جب کسی شخص میں دو شرطیں پائی جائیں گی تو وہ سفارش کر سکے گا: ۱۔جس کو اللہ تعالیٰ اجازت دیدے کہ تم سفارش کر سکتے ہو۔ ۲۔جس کے لئے شفاعت کرنے پر اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔

قولہ تعالیٰ وَ کَمْ مِّنْ مَّلَکٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُھُمْ شَیْئًا اِلَّا مِنْ بَعْدِ اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰہُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَرْضٰی

آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے موجود ہیں، ان کی شفاعت کچھ بھی کام نہیں آ سکتی جب تک کہ اللہ کسی ایسے شخص کے حق میں اس کی اجازت نہ دے جس کے لئے وہ کوئی عرضداشت سننا چاہے اور اُس کو پسند کرے۔

اس آیت کریمہ اور سابقہ دونوں آیات کا مطلب ایک ہی ہے۔علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''جب مقرب اور برگزیدہ فرشتوں کا یہ علم ہے کہ وہ بھی بارگاہِ قدس میں دم نہیں مار سکتے تو یہ جاہل اور احمق لوگ غیر اللہ اور معبودانِ باطل سے کس طرح توقع اور اُمید لگائے بیٹھے ہیں؟ جن کی عبادت کا اللہ تعالیٰ نے نہ شریعت میں کوئی حکم فرمایا اور نہ اجازت دی۔ بلکہ اس کے برعکس تمام انبیائے کرام کے ذریعہ سے اس کی تردید اور ممانعت فرمائی، اور اپنی نازل کردہ کتب میں اس کی نفی کی''۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ان مشرکین سے) کہو کہ پکار دیکھو اُن اپنے معبودوں کو جنہیں تم اللہ کے سوا اپنا معبود سمجھ بیٹھے ہو۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ان آیات پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ نے ان تمام اسباب اور ذرائع

کو کالعدم قرار دے دیا ہے جن کو کسی نہ کسی صورت میں مشرکین عقیدۂ سفارش کو ثابت کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے کہ مشرک غیر اللہ کو صرف اس لئے معبود بناتا ہے کہ اُسے اس سے کوئی فائدہ اور نفع حاصل ہو لیکن جب تک کسی شخص میں مندرجہ ذیل چھ صفات نہ پائی جائیں اس وقت تک اُس سے نفع کی توقع عبث ہے: ۱۔ اسے نفع اور فائدہ پہنچانے پر قدرت یا ملکیت اور اختیار ہو۔ ۲۔ ملکیت حاصل نہ ہو تو شریک ملکیت ہو۔ ۳۔ شرکت بھی میسر نہ ہو تو مالک کا معین و مددگار ہو۔ ۴۔ اگر مددگار بھی نہیں تو کم از کم مالک کے ہاں اس کی یہ حیثیت تو مُسلَّم ہو کہ اس کی سفارش کے اس کے مانی جاتی ہے۔ ۵۔ اُس کے پاس ایسی ہی سلطنت و ملکیت ہو۔ ۶۔ طاقت و قوت میں اُس سے بڑھ کر ہو۔

پس ایک عقلمند، اور صاحب بصیرت شخص کے لئے اس آیت میں ہدایت اور دلائل کی دولت موجود ہے اور توحید الٰہی سمجھنے کے لئے شمع نور ہو یدا ہے۔ شرک و بدعت کی جڑیں کاٹنے کے لئے یہ آیات تلوارِ بے نیام کی حیثیت رکھتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم اس قسم کی آیات سے بھرا پڑا ہے لیکن افسوس ہے کہ لوگوں کی اکثریت اس پر غور کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس کی وجہ صرف ایک ہے وہ یہ کہ لوگوں میں شعور کا مادہ ختم ہو چکا ہے اور شرک و بدعت میں اس قدر آگے نکل گئے ہیں کہ اُن کا واپس آنا مشکل نظر آتا ہے کہ مشرکین یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کے آباؤ واجداد نے جو سوچ اور فکر ان کو دیا ہے وہ اس کے واحد وارث ہیں جس کی حفاظت ان کا فرض ہے یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان کا قلب فہم قرآن کے درمیان حائل ہے۔

اللہ کی قسم! ان مشرکین کے آباؤ واجداد، اپنے ہی جیسوں کو یا اپنے سے زیادہ شریروں کو وارث بنا گئے ہیں چنانچہ قرآن پاک ان کو اور انُ کو برابر رکھتا ہے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ان آیات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ''☆ مردوں سے اپنی حاجات طلب کرنا۔ اور ☆ اُن سے استغاثہ اور فریاد کرنا۔ دنیا میں سب سے بڑا شرک ہے۔ اس لئے کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع اور ختم ہو چکا ہے۔ اور جب وہ خود اپنی جان کے نفع و نقصان کا بھی مالک نہیں رہا تو وہ دوسرے کی فریاد سن کر کیا جواب دے گا؟ اب تو دوسروں کی شفاعت اس کے لئے ممکن ہی نہیں رہی۔ شفاعت طلب کرنے والا اور جس کو شفاعت کنندہ سمجھ لیا گیا دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں برابر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ قدس میں اس کی اجازت کے بغیر کسی کی شفاعت کرنا تو درکنار اونچی آواز سے بول بھی نہیں سکتا۔ اور سب سے غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ سے استغاثہ، فریاد رسی اور سوال کرنے

کو اپنا رضا کا سبب اور ذریعہ بھی نہیں قرار دیا بلکہ اس کو عدم اجازت اور شرک سے تعبیر فرمایا ہے اور اپنے غضب اور قہر کا باعث ٹھہرایا ہے۔ اب ہر مشرک کی یہ کیفیت ہو چکی ہے کہ اس نے غیر اللہ سے فریاد کر کے حقیقت میں اپنی حاجت اور طلب کے درمیان اللہ تعالیٰ کی ناراضی کو حائل کر لیا ہے۔ معبودِ حقیقی کے ساتھ شرک اُس کے دین خالص میں تغیر و تبدل، اہل توحید سے عداوت اور دشمنی یہ سب عیب مشرکین نے اپنے اندر جمع کر رکھے ہیں۔ ان کا شرک کرنا، خالق کائنات میں عیب اور نقص نکالنے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں اور موحدین کی مذمت اور ان سے عداوت ہے۔

ان کا یہ کہنا غلط ہے کہ اہل توحید مردوں کی تنقیص کرتے ہیں حالانکہ خود ان کا عمل یہ ہے کہ شرک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی تنقیص کے مرتکب ہوتے ہیں اور ان لوگوں کی تنقیص کے مرتکب ہوتے ہیں جن کو یہ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ ان معنوں میں کہ اللہ کے بارے میں ان کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ بزرگ ان کے اس شرک پر خوش ہیں اور یہ کہ خود انہوں نے ان کو شرک کی تلقین کی ہے اور یہ ان کی دوستی کا دم بھرتے ہیں یہ نہیں جانتے کہ شرک کرنے والے انبیاء و رُسل کے ہر دور میں اور ہر جگہ دشمن تصور کئے گئے ہیں۔ خصوصاً جن کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرالیا گیا ان میں تو بہت زیادہ نقص نکالنے کی اس وجہ سے کوشش کی گئی کہ وہ ہماری ان عبادتوں پر راضی ہیں اور یہ کہ ان کو اس قسم کی عبادات کا انہوں نے خود حکم دیا تھا اور اس عبادت سے وہ خوش ہوتے ہیں۔

اس طرح کا کردار ادا کرنے والے مشرکین ہمیشہ کثیر تعداد میں اس دنیا میں رہے ہیں اور انہوں نے ہمیشہ انبیاء کرام علیہم السلام کی مخالفت کی ہے۔ اس شرکِ اکبر سے وہی بچ سکتا ہے جو توحید صرف اللہ کے لئے خاص کرے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مشرکین سے دشمنی مول لے، انکے ظلم و ستم برداشت کر کے اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرے، اور صرف ایک اللہ تعالیٰ کو اپنا دوست، اللہ اور معبود سمجھے، تمام دنیا کی محبت کو دِل سے نکال کر صرف اللہ سے پیمانِ محبت باندھے۔ ساری کائنات کا ڈر قلب سے محو کر کے فقط اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرے، اللہ ہی سے اپنی اُمیدیں وابستہ رکھے اور اپنی عجز و انکساری صرف اسی کے سامنے پیش کرے۔ توکل اور بھروسہ ہو تو اللہ پر، کسی وقت امداد کا طالب ہو تو اللہ سے، گڑگڑائے تو اُسی کے سامنے، استغاثہ دائر کرے تو اُسی کی بارگاہِ قدس میں، مقصود و منتہی اسی کو قرار دے، غرض اپنے تمام اُمور اس کی مرضی اور حکم کے مطابق انجام دینے کی طرح ڈالے اور اسی کی رضا کا طالب رہے جب سوال کرے تو اُسی ایک اللہ سے۔ اعانت کا خواہاں ہو تو اُسی ایک اللہ سے۔ کوئی بھی عمل کرے تو اُسی وحدہ لاشریک لہ کے لئے۔ خود بھی اور اپنے تمام اُمور اور

معاملات میں بھی صرف اللہ تعالیٰ کا ہی ہو کر رہ جائے''۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان آیات پر جو سیر حاصل بحث کی ہے حقیقت میں انہوں نے دین اسلام کا بہترین نقشہ کھینچ کر سامنے رکھ دیا ہے۔

قال ابو العباس رحمۃ اللہ علیہ نَفَی اللّٰہُ عَمَّا سِوَاہُ کُلَّ مَا یَتَعَلَّقُ بِہِ الْمُشْرِکُوْنَ فَنَفٰی اَنْ یَّکُوْنَ لِغَیْرِہٖ مِلْکٌ اَوْ قِسْطٌ مِّنْہُ اَوْ یَکُوْنَ عَوْنًا لِّلّٰہِ وَ لَمْ یَبْقَ اِلَّا الشَّفَاعَۃُ فَبَیَّنَ اَنَّھَا لَا تَنْفَعُ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّبُّ کَمَا قَالَ وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی فَھٰذِہِ الشَّفَاعَۃُ الَّتِیْ یَظُنُّھَا الْمُشْرِکُوْنَ ھِیَ مُنْتَفِیَۃٌ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ کَمَا نَفَاھَا الْقُرْاٰنُ وَ اَخْبَرَ النَّبِیُّ ﷺ اَنَّہٗ یَاْتِیْ فَیَسْجُدُ لِرَبِّہٖ وَ یَحْمَدُہٗ لَا یَبْدَاُ بِالشَّفَاعَۃِ اَوَّلًا ثُمَّ یُقَالُ لَہٗ اِرْفَعْ رَاْسَکَ وَ قُلْ یُسْمَعْ وَ سَلْ تُعْطَ وَ اشْفَعْ تُشَفَّعْ وَ قال ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ مَنْ اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ خَالِصًا مِّنْ قَلْبِہٖ فَتِلْکَ الشَّفَاعَۃُ لِاَھْلِ الْاِخْلَاصِ بِاِذْنِ اللّٰہِ وَ لَا تَکُوْنُ لِمَنْ اَشْرَکَ بِاللّٰہِ وَ حَقِیْقَتُہٗ اَنَّ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ ھُوَ الَّذِیْ یَتَفَضَّلُ عَلٰی اَھْلِ الْاِخْلَاصِ فَیَغْفِرُ لَھُمْ بِوَاسِطَۃِ دُعَاءِ مَنْ اَذِنَ لَہٗ اَنْ یَّشْفَعَ لِیُکْرِمَہٗ وَ یَنَالَ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ فَالشَّفَاعَۃُ الَّتِیْ نَفَاھَا الْقُرْاٰنُ مَا کَانَ فِیْھَا شِرْکٌ وَ لِھٰذا اَثْبَتَ الشَّفَاعَۃَ بِاِذْنِہٖ فِیْ مَوَاضِعَ وَ قَدْ بَیَّنَ النَّبِیُّ ﷺ اَنَّھَا لَا تَکُوْنُ اِلَّا لِاَھْلِ التَّوْحِیْدِ وَ الْاِخْلَاصِ انتھی

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے ان باتوں کی نفی کی دی جن سے مشرکین سند پکڑتے ہیں اور خصوصاً اس بات کی نفی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو آسمان وزمین میں کسی قسم کی قدرت ہو یا قدرت کا کچھ حصہ یا وہ اللہ کی کچھ مدد کرتے ہوں۔ باقی رہی سفارش، تو یہ بھی اُسے نفع دے گی جس کے بارے میں ربِّ کریم اجازت عطا فرمائے، جیسا کہ فرمایا: ''وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے بجز اُس کے جس کے حق میں سفارش سننے پر اللہ راضی ہو''۔ (الانبیاء:۲۸)۔ البتہ قیامت کے دن وہ شفاعت جس کے مشرکین قائل ہیں اُن کے حق میں نہ ہو سکے گی، کیونکہ قرآن کریم نے اس کی صراحت کے ساتھ غیر مبہم الفاظ میں تردید کی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ وہ قیامت کے دن اپنے رب تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے اور فوراً شفاعت نہیں کریں گے بلکہ آپ ﷺ سب سے پہلے اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوں گے، اُس کی حمد وثنا بیان

کریں گے۔ پھر آپ ﷺ کو حکم ہوگا کہ اپنا سر مبارک اٹھاؤ۔ آپ ﷺ کی بات کو سنا جائے گا اور جو سوال کرو گے وہ دیا جائے گا اور سفارش کیجئے، آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ ''یارسول اللہ ﷺ وہ کون خوش نصیب اور سعید سعید شخص ہے جو آپ ﷺ کی شفاعت کا مستحق ہو گا؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو اپنے دل کی گہرائیوں سے کلمہ لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کا اقرار کرے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ شفاعت اُن کو حاصل ہوگی جو اپنے اعمال و افعال میں مخلص ہوں گے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے، لیکن مشرکین کی شفاعت ہرگز نہ ہو سکے گی۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو سفارش کرنے کی اجازت دے گا اُن کی دُعا کی وجہ سے اہل اخلاص پر اپنا خاص فضل و کرم کرتے ہوئے معاف فرما دے گا تا کہ اُن کی عزت و تکریم ہو اور وہ قابل تعریف مقام حاصل کر لیں۔ پس قرآن کریم نے جس شفاعت کی تردید کی ہے وہ ایسی شفاعت ہے جس میں شرک کی آمیزش ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر شفاعت کو اپنی اجازت سے ثابت اور مقید کر دیا ہے۔ اور نبی رحمت ﷺ نے صاف اور واضح طور پر فرمایا کہ یہ شفاعت صرف موحدین اور سچی توحید والوں کے لئے ہوگی۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اخلاص کی جو بہترین تعریف کی ہے وہ ہے ''ایک اللہ کریم کی خاص محبت اور ہر کام میں اس کی رضا جوئی کا نام اخلاص ہے''۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کے مطلب کے بارے میں فرماتے ہیں: ''اس حدیث پر غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف توحید کو شفاعت کے حصول کا سبب قرار دیا ہے اور مشرکین کے اس عقیدہ کی تردید فرمائی ہے کہ وہ غیر اللہ سے محبت اور ان کی عبادت کی بنا پر اور ان کو سفارشی سمجھ کر شفاعت کے مستحق قرار پائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کے اس زُعم باطل کے برعکس فرمایا کہ شفاعت حاصل کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے توحید میں تجرید و اخلاص کا پایا جانا۔ جب اخلاص پیدا ہو جائے گا تو پھر اس کے لئے شفاعت کی اجازت مل جائے گی۔ مشرکین کی جہالت یہ ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جن کو انہوں نے اپنا ولی، دوست، اور سفارشی سمجھ رکھا ہے وہ اللہ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے اور اس کی بارگاہ میں ان کے لئے نفع رساں ثابت ہوں گے۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ بادشاہوں کے مقربین اپنے ساتھیوں کو فائدہ پہنچا دیتے ہیں مشرکین اس بات کو بالکل بھول گئے ہیں کہ اللہ کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر کوئی بھی سفارش کرنے کی جرات نہ کر سکے گا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اُسی شخص کی سفارش ممکن ہے جس کے

اعمال وافعال اور کردار پر اللہ تعالیٰ راضی ہوگا۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی فصل میں قرآن کریم کی یہ آیت پیش کی ہے: (ترجمہ) کون ہے جو اس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟ اور دوسری فصل میں یہ آیت ذکر کی ہے کہ: (ترجمہ) وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے بجز اُس کے جس کے حق میں سفارش کرنے پر اللہ راضی ہو'۔ رہی تیسری فصل تو اس میں فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ کسی کے قول وعمل پر اس وقت تک قطعاً اظہار رضامندی نہیں کرتا جب تک کہ وہ توحید خالص کا حامل اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع نہ ہو'۔

یہ تینوں فصلیں اُس شخص کے دِل سے شرک کی جڑیں کاٹنے کے لئے کافی ہیں، جس میں عقل وخرد کا مادہ موجود ہے اور وہ غور وفکر کے لئے بھی تیار ہے۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ سلسلہء کلام کو جاری رکھتے ہوئے مزید فرماتے ہیں کہ شفاعت کی چھ قسمیں ہیں۔

۱۔ پہلی: شفاعت کبری ہے، جس سے اولوالعزم انبیاء علیہم السلام بھی گھبرا جائیں گے۔ حتی کہ معاملہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک آ پہنچے گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے: ''انا لھا'' کہ یہ میرا ہی کام ہے۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آئے گا جب کائنات یکے بعد دیگرے تمام انبیاء کی خدمت میں حاضر ہو کر شفاعت کے لئے عرض کرے گی کہ اس مقام کے عذاب سے لوگوں کو نجات ملنی چاہیئے۔ اس شفاعت کے وہی لوگ مستحق ہوں گے جنہوں نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا ہوگا۔

۲۔ دوسری شفاعت دخولِ جنت کی ہوگی۔ اس کا مفصل بیان سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں موجود ہے جو صحیحین میں مروی ہے۔ اور گذشتہ سطروں میں گزر چکی ہے۔

۳۔ تیسری شفاعت ان لوگوں کی ہوگی جو اُمت محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہوتے ہوئے اپنے گناہوں کی پاداش میں دخولِ جہنم کے مستوجب قرار پا جائیں گے لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہنم میں داخل ہونے سے پہلے ان کی شفاعت کریں گے تا کہ یہ لوگ دوزخ میں نہ جا سکیں۔

۴۔ چوتھی شفاعت ان اہل توحید کے لئے ہوگی جو اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنم کی سزا بھگت رہے ہوں گے۔ احادیث متواترہ، اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم، اور اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ اہل توحید اپنے گناہوں کی وجہ سے سزا بھگتیں گے۔ جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں ان نفوس قدسہ نے ان کو بدعتی قرار دیا ہے، ان کی نکیر کی ہے اور ان کو گمراہ ٹھہرایا ہے۔

۵۔ پانچویں شفاعت صرف اہل جنت کے لئے ہوگی تا کہ ان کے اجر میں اضافہ کیا جائے اور ان کے درجات بلند کئے جائیں۔اس شفاعت میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔

مندرجہ بالا پانچوں شفاعتیں صرف ان مخلصین کے لئے ہیں جنہوں نے کسی غیر اللہ کو نہ اپنا ولی بنایا اور نہ شفاعت کنندہ سمجھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (ترجمہ) اور اے محمد ﷺ تم اس (علم وحی) کے ذریعے سے ان لوگوں کو نصیحت کرو جو اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے سامنے کبھی اس حال میں پیش کئے جائیں گے کہ اس کے سوا وہاں کوئی (ایسا ذی اقتدار) نہ ہوگا جو اِن کا حامی و مددگار ہو یا ان کی سفارش کرے (الانعام:۵۱)۔

۶۔ چھٹی شفاعت بعض اہل جہنم کفار کے لئے ہے تا کہ ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے اور یہ صرف ابوطالب کے لئے خاص ہے۔

فیہ مسائل

☆ نا قابل قبول شفاعت کی توضیح وتشریح۔ ☆ اس شفاعت کا تذکرہ جو مومنین کے لئے فائدہ مند ہوگی۔ ☆ شفاعت کبری کا ذکر جسے مقام محمود بھی کہتے ہیں۔ ☆ رسول کریم ﷺ کی شفاعت کرنے کے طریقے کی وضاحت کہ آپ ﷺ لوگوں کی بات سنتے ہی شفاعت نہیں کریں گے بلکہ سب سے پہلے بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہوں گے جب اجازتِ شفاعت ملے گی تو شفاعت کریں گے۔ ☆ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا سوال کرنا کہ ''یارسول اللہ ﷺ وہ کون خوش نصیب اور سعید شخص ہے جو اِس شفاعت کا حقدار ہوگا؟ ☆ یہ شفاعت اُس شخص کے لئے قطعاً نہ ہوگی جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا ہے۔☆ شرک کی حقیقت و ماہیت کا بیان

باب

اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ

اس باب میں اس حقیقت کی وضاحت کی گئی ہے کہ رُشد و ہدایت کی توفیق اللہ تعالیٰ کے قبضہ وقدرت میں ہے جس کو چاہے ہدایت کی نعمت سے بہرہ مند

ہونے کی توفیق عطا کرے اور جس سے چاہے یہ دولت چھین لے۔

اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ

اے نبی ﷺ! تم جسے چاہو اُسے ہدایت نہیں دے سکتے مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں۔ (القصص:۵۶)۔

اس مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقامات پر بھی واضح فرمایا ہے جیسے: (ترجمہ) ''اے میرے رسولِ کریم ﷺ ان کو ہدایت اور راہِ راست پر لانا آپ کا کام نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے نورِ ہدایت سے منور فرماتا ہے''۔ (البقرۃ:۲۷۲)۔ ایک جگہ پر یوں ارشاد ہوتا ہے: (ترجمہ) ''اے میرے پیغمبر ﷺ اکثر لوگ ایمان کی دولت سے بے بہرہ ہی رہیں گے اگرچہ آپ کا کتنا ہی جی چاہتا ہو۔ (یوسف:۱۰۳)۔

ان آیات میں جس ہدایت کی نفی کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ہدایت کی توفیق دینا آپ ﷺ کے اختیار میں نہیں ہے، اس کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ سے ہے اور وہی اس پر قدرت رکھتا ہے۔ البتہ مندرجہ ذیل آیت میں جس ہدایت کا ذکر کیا گیا ہے، اُس سے ہدایت کی تشریح اور اس کی وضاحت مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر جو ذمہ داری عائد کی گئی ہے وہ یہی ہے کہ آپ دینِ اسلام، اس کے احکام اور اللہ کی ہدایت کو لوگوں پر واضح فرما دیں۔ آیت یہ ہے: (ترجمہ) ''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ﷺ ایک سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کر رہے ہیں''۔

وفی الصحیح عن ابن المسیب عن ابیه رضی اللہ عنہ قَالَ لَمَّا حَضَرَتْ اَبَا طَالِبِ الْوَفَاةُ جَاءَ هُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَ عِنْدَهٗ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ اُمَيَّةَ وَ اَبُوْ جَهْلٍ فَقَالَ لَهٗ یَ عَمِّ قُلْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ كَلِمَةً اُحَاجُّ لَکَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ فَقَالَا لَهٗ اَتَرْتَبُ عَنْ مِّلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَاَعَادَ عَلَيْهِ النَّبِیُّ ﷺ فَاَعَادَا فَكَانَ اٰخِرُ مَا قَالَ هُوَ عَلٰی مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَ اَبٰی اَنْ یَّقُوْلَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَکَ مَا لَمْ اُنْهَ عَنْکَ فانزل اللّٰه عز و جل مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْٓا اُولِیْ قُرْبٰی (التوبہ:۱۱۳)۔ و انزل اللّٰه فی ابی طالب اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَ ھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ (القصص:۵۶)۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سعید رحمۃ اللہ علیہ اپنے باپ سیدنا مسیّب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ سیدنا مسیّب

رضی اللہ عنہ اپنے باپ سیدنا حُزن رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب اُبوطالب کی وفات کے آثار دکھائی دیئے تو رسول اللہ ﷺ اُس کے پاس تشریف لے گئے اُس وقت ابوجہل اور عبداللہ بن ابوامیہ بھی وہاں بیٹھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چچاجان! کلمہ لَآ اِلٰہ اِلَّا اللہ کا اقرار کرلو، میں تمہارے لئے یہی کلمہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بطور دلیل پیش کروں گا۔ ابوجہل اور عبداللہ بن ابوامیہ بولے ''کیا عبدالمطلب کے مذہب کو چھوڑ دو گے''؟ رسول اکرم ﷺ بار بار کلمہ شہادت کی ترغیب دیتے تھے اور وہ دونوں ابوطالب کو اپنے مذہب پر قائم رہنے پر اصرار کرتے تھے۔ ابوطالب کی آخری بات یہ تھی کہ: ''وہ عبدالمطلب کے دین پر ہی قائم رہے گا'' اور اُس نے لَآ اِلٰہ اِلَّا اللہ کے اقرار سے اِنکار کردیا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اُس سے فرمایا کہ جب تک مجھے روک نہ دیا گیا میں تمہارے لئے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا۔ اس پر اللہ کریم نے یہ آیت نازل فرمائی کہ نبی ﷺ کو اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، زیبا نہیں ہے کہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا کریں چاہے وہ رِشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ رب ذوالجلال نے ابوطالب کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی کہ: اے نبی! تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں۔

رحمۃ للعٰلمین ﷺ نے ابوطالب کو کلمہ توحید کے اقرار کرنے کی ترغیب دی لیکن ابوطالب نے انکار کردیا کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ علم و یقین کے ساتھ لَآ اِلٰہ اِلَّا اللہ کے اقرار کا مطلب یہ ہے کہ شرک اور مشرکین سے کلیۃً اظہارِ براءت کی جائے۔ اور تمام عبادات پورے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے ادا کی جائیں اور یہ کہ اسلام کے دائرہ میں داخل ہوا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین لَآ اِلٰہ اِلَّا اللہ کے مطلب کو خوب سمجھتے تھے۔ اس وقت مکہ المکرّمہ میں دو ہی قسم کے لوگ تھے، مسلمان اور کافر۔ اس کلمے کا اقرار وہی شخص کرتا تھا جو شرک سے بالکل بیزار ہوجاتا اور قطع تعلق کرلیتا تھا۔

یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہے کیونکہ اگر ابوطالب خلوص دل سے اور ان تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو نفی و اثبات کی صورت میں لَآ اِلٰہ اِلَّا اللہ سے وابستہ ہیں یہ کلمہ پڑھ لیتا تو وہ لازماً اس کے لئے سودمند ثابت ہوتا۔

قرآن کریم میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: (ترجمہ) ''اور اسی طرح ہم نے آپ ﷺ سے پہلے کسی بستی میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اُس کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو

ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی ان ہی کے پیچھے پیچھے جا رہے ہیں''۔

حدیث کے الفاظ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ابوجہل اور عبداللہ بن ابوامیہ اس کلمہ لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کے مقتضیات کو اچھی طرح سمجھتے تھے کیونکہ اُس وقت ان دونوں نے یہ بھانپ لیا تھا کہ اگر ابوطالب نے کلمہ لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کا اقرار کر لیا تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ اس نے عبدالمطلب کے مذہب سے اظہارِ بیزاری کر دیا ہے۔ عبدالمطلب کا مذہب شرک فی الالوہیت ہی تو تھا البتہ توحید ربوبیت کا جیسا کہ پہلے گزر چکا، کافر و مشرک سب اقرار کرتے تھے۔

ابوطالب کے ہدایت یاب نہ ہونے میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں، ان میں سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ: لوگوں کو اس بات کا علم و یقین ہو جائے کہ کسی کو ہدایت دینا یا نہ دینا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، اس کے سوا کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے۔ اور اگر ☆ لوگوں کے دلوں کو ہدایت کی طرف ملتفت کرنا، ☆ مصائب و مشکلات سے نجات دلانا، ☆ ان کو عذابِ الٰہی سے بچانا۔ اور ان جیسے دوسرے اُمور رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں ہوتے جو کہ تمام کائنات سے افضل و اشرف ہیں تو اس کے سب سے زیادہ حقدار ابوطالب تھے کیونکہ یہ رشتہ میں آپ ﷺ کے چچا بھی ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جو حمایت، نصرت اور اعانت رسول اللہ ﷺ کی ابوطالب نے کی ہے وہ تاریخ کے اوراق پر ہمیشہ نقش رہے گی لیکن ہم اس حکمت اور بھید کی تہہ تک پہنچنے میں یکسر عاجز اور قاصر ہیں۔ اور اللہ کی ذات ہر عیب سے پاک اور منزہ و مبرہ ہے جس کی حکمتوں کو سمجھنے کے لئے عقل انسانی واطہء حیرت میں ڈوب جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا ہے اپنی معرفت، توحید، اور اخلاصِ عمل کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

فیہ مسائل

☆ بہت عظیم اور اہم مسئلہ جس میں آپ ﷺ کے ارشاد ''قل لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ'' کی وضاحت کی ہے اور اُن لوگوں کی تردید کی گئی ہے جو کلمہ شہادت کے زبانی اقرار کو باعث نجات قرار دیتے ہیں اگرچہ وہ شرکیہ اعمال کا مرتکب ہو رہا ہو۔ ☆ جب رسولِ عربی ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب سے کہا کہ لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کا اقرار کر لو تو اس کے مطلب کو ابوجہل اور اُس کے ساتھی جانتے تھے اِسی لئے تو انہوں نے ابوطالب کو عبدالمطلب کے مذہب پر قائم رہنے کی ترغیب دی۔ آج کل کتنے ہی ابوجہل ہیں اللہ ان کا ستیاناس کرے جن سے ابوجہل لَا

اِلٰہ اِلَّا اللہ کے مفہوم کو زیادہ جانتا تھا۔ ☆اپنے چچا ابوطالب کے قبولِ اسلام کے لئے رسول اللہ ﷺ کی اِنتہائی جدوجہد اور بدرجہ غایت کوشش وسعی۔ ☆عبدالمطلب اور اس کے بڑوں کو مسلمان سمجھنے والوں کی تردید۔ ☆رسولِ اکرم ﷺ کے استغفار کے باوجود ابوطالب کی مغفرت نہ کی گئی بلکہ اس کے برعکس آپ ﷺ کو ان کے لئے استغفار سے روک دیا گیا۔ ☆انسان پر بُرے لوگوں کی صحبت کا اثر پڑنا۔ ☆اپنے اکابر واسلاف کی تعظیم میں غلو کی مضرتیں۔ ☆اپنے اکابر کی زندگی سے اِستدلال، جاہلیت کی رسم ہے۔ ☆ان احادیث سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ اعمال کا دارومدار انسانی زندگی کے خاتمے پر ہے کیونکہ ابوطالب اگر بوقت وفات کلمہ شہادت کا اقرار کرلیتا تو وہ اُس کے لئے ضرور نفع رساں ہوتا۔ ☆مشرکین کے دلوں میں جو یہ شبہ پیدا ہوگیا ہے کہ وہ صرف لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ اپنے جھگڑے اور اختلاف کی بنیاد سمجھتے تھے اس پر غور وتامل۔ اگرچہ حقیقت یہی ہے کہ شریعت اِسلامیہ میں اِس کو مرکزی حیثیت حاصل ہے تبھی تو رسولِ معظم ﷺ بار بار یہ کوشش فرماتے ہیں کہ ابوطالب اِس کا اقرار کرلے۔ کلمہ شہادت کا مطلب اور اِس کے تقاضے اتنے واضح اور روشن ہیں کہ مشرک بھی اِسے سمجھتے تھے، اِسی بنا پر تو اُنہوں نے اپنے معاملات اور اختلافات کو اس پر مرکوز رکھا تھا۔

باب

ما جاء ان سبب کفر بنی آدم وترکھم دینھم ھو الغلو فی الصلحین

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بنی نوع انسان کے کفر اور شرک میں مبتلا ہونے اور دِین کو چھوڑنے کا سب سے بڑا سبب بزرگوں کے معاملہ میں غلو کرنا ہے۔

یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ (النساء:۱۷۱)

اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو۔ اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو۔

مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام عطا فرمایا ہے اس سے اس کو اونچا اور بالا نہ سمجھو۔ یہ خطاب اگرچہ یہود ونصاریٰ سے ہے لیکن اس کے ساتھ ہی پوری اُمت محمدیہ سے بھی ہے۔ اس کی وجہ یہ خدشہ

ہے کہ یہ اُمت بھی کہیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وہی سلوک نہ کرلے جو نصاریٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اور یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ترجمہ) ''کیا ایمان لانے والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دِل اللہ کے نازل کردہ حق کے آگے جھکیں اور وہ اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی تو اُن کے دل سخت ہو گئے اور آج اُن میں سے اکثر فاسق بنے ہوئے ہیں''؟ (الحدید:١٦)۔

اسی لئے رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں (ترجمہ) ''میری تعریف میں اس طرح مبالغہ نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں مبالغہ سے کام لیا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اُمت محمدیہ میں سے جو شخص یہود و نصاریٰ سے مشابہت اختیار کرے گا، اور دین میں افراط یا تفریط سے کام لے گا وہ ان ہی جیسا ہو گیا''۔

مزید فرماتے ہیں: ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں غالی رافضیوں کو جلا دیا تھا اور باب کندہ کے قریب گڑھے کھدوا کر اِن کو اِن میں پھینک دیا تھا، صحابہ کرام کا ان غالی رافضیوں کے قتل پر اتفاق تھا۔ لیکن سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ان کو بجائے جلانے کے تلوار سے قتل کر دیا جائے۔ اکثر اہل علم کا یہی قول ہے''۔

و فی الصحیح عن ابن عباس رضی اللہ عنہ فی قول اللہ تعالیٰ وَ قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَ لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا وَّ لَا یَغُوْثَ وَ یَعُوْقَ وَ نَسْرًا (نوح:٢٣) قَالَ هٰذِهٖۤ اَسْمَآءُ رِجَالٍ صَالِحِیْنَ مِنْ قَوْمِ نُوْحٍ فَلَمَّا هَلَكُوْا اَوْحَی الشَّیْطٰنُ اِلٰی قَوْمِهِمْ اَنْ انْصِبُوْۤا اِلٰی مَجَالِسِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا یَجْلِسُوْنَ فِیْهَا اَنْصَابًا وَ سَمُّوْهَا بِاَسْمَآئِهِمْ فَفَعَلُوْا وَ لَمْ تُعْبَدْ حَتّٰۤی اِذَا هَلَكَ اُولٰٓئِكَ و نَسِیَ الْعِلْمُ عُبِدَتْ وَ

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ آیت (انہوں نے کہا ہرگز نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو اور نہ چھوڑو وَدّ اور سواع کو اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو) کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ سب قومِ نوح کے صالح لوگ تھے، جب وہ مر گئے تو شیطان نے اُن کی قوم کو یہ بات سمجھائی کہ یہ نیک لوگ جس جگہ بیٹھتے تھے وہاں بطورِ یادگار پتھر نصب کرو اور اس پتھر کو اُن کے نام سے پکارو، سو اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب اگلے لوگ مر گئے اور علم اُن سے جاتا رہا تب اُن کی اولاد نے اُن یادگاروں کی پرستش شروع کر دی۔

ابلیس نے ان سے کہا کہ دیکھو! تمہارے آباؤ اجداد ان بزرگوں کی عبادت کرتے تھے اور ان کے طفیل

بارش ہوتی تھی۔اس نے ان اصنام کی عبادت کو ان کے سامنے انتہائی خوبصورت انداز میں پیش کیا اور ان کی عظمت کا نقش اس طرح بڑھا چڑھا کر ان کے دلوں میں بٹھا دیا کہ وہ سمجھنے لگے کہ گویا وہی ان کے معبودِ حقیقی ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: (ترجمہ) ''اولادِ آدم! کیا میں نے تم کو ہدایت نہ کی تھی کہ شیطان کی بندگی نہ کرو۔وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری ہی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے مگر اس کے باوجود اُس نے تم میں سے ایک گروہِ کثیر کو گمراہ کر دیا۔کیا تم عقل نہیں رکھتے تھے''۔(سورۂ یٰسین)۔

اللہ تعالیٰ کے اس عہد و پیمان کو یاد رکھنے کا اصل فائدہ یہ ہے کہ انسان غلو سے محفوظ رہتا ہے۔شیطان نے صالحین کی شان میں افراط و مبالغہ اور ان سے غلو فی المحبت کی بنا پر ہی ان لوگوں کو مبتلائے شرک کیا تھا۔جیسا کہ آج کل اُمت محمدی میں سے اکثر لوگ شرک کا شکار ہو گئے ہیں، اس لئے کہ شیطان نے صالحین کی محبت و عظمت کو ان کی شان میں بدعت و غلو کو اُن کے سینوں میں اس طرح پیوست کر دیا ہے کہ یہ لوگ اب اعمالِ شرکیہ کو بھی توحید اور رضائے الٰہی کا ذریعہ سمجھ بیٹھے ہیں۔

وَ قَالَ ابْنُ الْقَيِّمُ رحمۃ اللہ علیہ قَالَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِّنَ السَّلَفِ لَمَّا مَاتُوْا عَكَفُوْا عَلٰى قُبُوْرِهِمْ ثُمَّ صَوَّرُوْا تَمَاثِيْلَهُمْ ثُمَّ طَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَعَبَدُوْهُمْ

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر سلف صالحین نے بیان کیا ہے کہ جب وہ مر گئے تو پہلے یہ لوگ ان کی قبروں کے مجاور بنے، پھر ان کی تصاویر بنائیں، پھر زمانہ دراز گزرنے پر ان کی عبادت کرنے لگے۔

قبروں کے پجاریوں کے دل میں شیطان ہمیشہ یہ وسوسہ ڈالتا رہا کہ دیکھو! انبیائے کرام اور صلحائے عظام کی قبروں پر مجاور بن کر بیٹھنا اور ان پر قبے تعمیر کرنا ان اہل قبور سے محبت و عقیدت کا مظہر ہے اور یہ کہ ان کی قبروں کے پاس آ کر دعا کرنا قبولیت دعا کا ذریعہ ہے۔یہ بات ان کے دل میں اچھی طرح گھر کر گئی تو پھر یہ وسوسہ ڈالا کہ: دیکھو! اگر ان کے نام کو وسیلہ ٹھہرا کر دعا کرو گے اور ان کے نام کی قسم دے کر مانگو گے تو دعا بہت جلد قبول ہو گی۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کی شان تو اس سے کہیں بلند ہے کہ ان بتوں کا نام لے کر اس کی قسم کھائی جائے یا کسی مخلوق کے ساتھ اس سے سوال کیا جائے۔

جب یہ بات اچھی طرح ان کے ذہن میں بیٹھ گئی تو یہ وسوسہ ڈالا کہ ان کو براہِ راست پکارو، ان کو اپنا شفاعت کنندہ سمجھو، ان کی قبروں پر چادریں چڑھاؤ، اور خوب چراغاں کرو۔اگر ان کی قبروں کا طواف کیا جائے، ان کو بوسہ دیا جائے اور ان پر جانور ذبح کئے جائیں تو یہ بہت ہی نیکی اور سعادتمندی کی بات ہے۔

جب یہ چیز اِن کے ذہن میں راسخ ہوگئی تو کہا: دیکھو! لوگوں کو بھی ان بزرگانِ کرام کی عبادت کی طرف بلاؤ۔ اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ ان کے عُرس منانے کا اہتمام کرو، اوران کے یومِ پیدائش مناؤ۔ مشرکین نے جب دیکھا تو انہوں نے اس فعل کو انتہائی نفع بخش سودا سمجھا۔ دنیا میں بھی مالا مال ہوگئے اور آخرت میں بھی اپنے آپ ہی کو نجات یافتہ قرار دیا۔

شریعت اسلامیہ کا ایک ادنیٰ طالبعلم بھی یہ سمجھتا ہے کہ یہ سب خرافات توحید کے منافی اور اُس دین کے سراسر برعکس ہیں جس کو لے کر محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث کئے گئے۔ اس کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ فقط اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اس کے سوا اور کسی کے آگے نہ جھکا جائے۔ جب یہ تمام باتیں مشرکین کے دلوں میں جاگزیں ہوگئیں تو شیطان نے اپنا آخری تیر بھی چلایا کہ: دیکھو! جو شخص تم کو اس عقیدے کو اپنانے اوران اعمال پر کاربند رہنے سے روکے، وہ شخص ان مراتب عالیہ کا منکر ہے اور بزرگوں کی شان کو گرانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ ان بزرگوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ اب اگر ان مشرکین کی اصلاح کے لئے کوئی بات کہی جاتی ہے تو وہ غضبناک ہوجاتے ہیں اوران کے دِل نفرت کرنے لگتے ہیں۔ مشرکین کی اس حالت کو قرآن کریم ان الفاظ میں بیان کرتا ہے: (ترجمہ) ''جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل کڑھنے لگتے ہیں اور جب اس کے سوا دوسروں کا ذکر ہوتا ہے تو یکا یک وہ خوشی سے کھل اٹھتے ہیں''۔ (الزمر: ۴۵)۔ اور یہ بات اکثر جاہل اور طاغی نفوس کے سینوں میں بیٹھ چکی ہے۔ اور افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ اکثر اہل علم اور دیندار لوگ بھی اس بیماری میں مبتلا ہیں حتیٰ کہ یہ لوگ اہل توحید کے دشمن ہوگئے ہیں اوران پر طرح طرح کے الزامات لگاتے ہیں اور عوام الناس کو ان سے متنفر کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ لیکن اہل شرک سے ان کی دوستی ہے اور خوب بڑھا چڑھا کر ان کی شان میں قصیدے پڑھتے ہیں ان کی جہالت یہیں ختم نہیں ہوجاتی بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین اسلام اور اس کے رسول ﷺ کے مددگار ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان کے اس کردار کی تردید کرتا ہے، ارشاد ہوتا ہے: (ترجمہ) ''یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دوست ہرگز نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کے دوست تو صرف متقین اور پرہیزگار لوگ ہی ہیں'' (الانفال: ۳۴)

وعن عمر رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ لَا تُطْرُوْنِیْ كَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی ابْنَ مَرْیَمَ اِنَّمَا اَنَا عَبْدٌ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللهِ وَ رَسُوْلُهٗ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری تعریف میں مبالغہ نہ کرنا جس